بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

مجلّہ طلوع اسلام کا

لمعات

ـــئے۔

ثابات کا چرچا عام ہوتا جا رہا ہے' ہمیں استفسارات موصول ہو رہے ہیں کہ

ماہنامہ ــــــــــ لاہور

خط و کتابت : ناظم ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ) 25۔ بی گلبرگ۔ 2 لاہور 54660 ٹیلی فون :876219 فیکس :92-42-5764484

فہرست مشمولات

لمعات	ادارہ	3
روزہ کے احکام	علامہ غلام احمد پرویز رح	5
پرویز رح صاحب کی دعوت کیا ہے؟	محمد عمر دراز	9
روزوں کا مقصد	علامہ غلام احمد پرویز رح	55
فہرست آڈیو کیسٹس	احمد حسین قیصرانی	62

قارئین کو یہ دیکھ کر خوشی ہوگی کہ پاکستان اور مجلّہ طلوع اسلام اپنے دور ثانی سے قدم بقدم چل رہے ہیں

انتظامیہ :۔ چیئرمین : ایاز حسین انصاری۔ ناظم : محمد لطیف چوہدری
مدیر مسئول : محمد لطیف چوہدری۔ مجلس ادارت : میجر محمد یوسف ڈار۔ محمد عمر دراز۔ ڈاکٹر صلاح الدین اکبر۔
ناشر: عطا الرحمن ارائیں
طابع : خالد منصور نسیم۔ مطبع :النور پرنٹرز و پبلشرز 3/2 فیصل نگر ملتان روڈ لاہور۔
مقام اشاعت :B-25 گلبرگ 2 لاہور۔ 54660

جلد 50 شمارہ 01۔ جنوری 1997ء
بدل اشتراک
ایشیاء' افریقہ' یورپ 600 روپے
آسٹریلیا' امریکہ' کینیڈا 800 روپے
اندرون ملک فی پرچہ =/15 روپے سالانہ 170 روپے
جنوری 1997ء سے زر شرکت میں تبدیلی کی جا رہی ہے۔
تفصیلات اندر کے صفحات پر ملاحظہ فرمائیں

پیپلز کلیرنگ ایجنسی

کسٹم ہاؤس سے منظور شدہ

کلیرنگ اینڈ فارورڈنگ ایجنٹ

جس ماہ تک ہمیں وصول ہوا ہے اس کا اندراج آپ کے ایڈریس کے اوپر دائیں طرف کر دیا گیا ہے۔ اسے ایک نظر دیکھ لیجئے اور اگر آپ کا زر شرکت ختم ہو گیا ہے یا ختم ہونے والا ہے اور آپ چاہتے ہیں کہ فکر قرآنی کی جو آواز طلوع اسلام کے ذریعہ پھیل رہی ہے' جاری و ساری رہے تو آپ سے التماس ہے کہ آپ اپنا زر شرکت بحساب اندرون ملک 170 روپے بیرون ملک 600 روپے (امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا کے لئے 800 روپے) بذریعہ بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر اسی ماہ ارسال فرما دیں یا وعدہ فرمالیں تاکہ آپ کا پرچہ بدستور جاری رہے۔

ادارہ آپ کے تعاون کے لئے بے حد ممنون ہو گا۔ لاہور سے باہر کا چیک بھجوائیں تو بنک کمشن کے 40 روپے مزید شامل کر لیں۔

نیاز مند

ناظم ادارہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

لمعات

1- ووٹ کس کو دیا جائے۔

جوں جوں جنرل انتخابات کا چرچا عام ہوتا جا رہا ہے' ہمیں استفسارات موصول ہو رہے ہیں کہ ووٹ کس کو دیا جائے؟ ہمارا جواب حسب سابق وہی ہے کہ ہم عملی سیاست میں حصہ نہیں لیتے۔ نہ ہماری اپنی کوئی سیاسی پارٹی ہے۔ نہ ہم کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہوتے ہیں۔ اگر بزم طلوع اسلام کا کوئی رکن کسی سیاسی پارٹی میں شامل ہونا چاہے تو اسے بزم کی رکنیت سے استعفیٰ دینا پڑتا ہے۔ بزم کا رکن البتہ اپنی ذاتی حیثیت سے آزاد امیدوار کے طور پر اسمبلی کی رکنیت کے لئے کھڑا ہو سکتا ہے' اس شرط کے ساتھ کہ اگر اس اسمبلی میں کوئی مسئلہ ایسا سامنے آئے گا جو قران مجید کے خلاف ہو گا تو وہ اس کی مخالفت کرے گا۔

جہاں تک ووٹ دینے کا تعلق ہے' قرآنی راہ نمائی کی وضاحت ہمارا فریضہ ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے یہ سمجھ لینا چاہئے کہ آپ اُس شخص کو ووٹ دیں جس کی صداقت' شرافت' امانت' دیانت اور اہلیت پر آپ کو پورا پورا بھروسہ ہو۔ ایسے شخص کے تولنے اور ماپنے کے لئے قرآن کریم نے ایک ایسا پیمانہ عطا کر دیا ہے جو کبھی غلطی نہیں کرتا۔ جب نبیٔ اکرمؐ سے آپ کے مخالفین نے پوچھا کہ آپ کے پاس کا کیا ثبوت ہے کہ آپ اپنے دعوٰئے نبوت میں سچے ہیں' تو آپ نے فرمایا کہ **فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ** (10/16) "میں کوئی اجنبی یا نووارد نہیں۔ میں نے اس سے پہلے اپنی پوری عمر تم میں بسر کی ہے۔ کیا تم اس پر غور کر کے یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ میں سچا ہوں یا جھوٹا؟" اس آیت میں "**من قبلہٖ**" کا ٹکڑا بڑا بنیادی ہے۔ جب کوئی شخص کسی منصب کے لئے کھڑا ہوتا ہے تو اپنی وضع بڑی مقدس بنا لیتا ہے۔ لیکن اس کا صحیح کیریکٹر اس کی اس زمانے کی زندگی سے سامنے آ سکتا ہے جب وہ عام آدمیوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ ہے صحیح پیمانہ۔ جو شخص بطور اُمیدوار کھڑا ہو آپ یہ دیکھئے کہ اس کی پہلی زندگی کس قسم کی گزری ہے۔ اس کے ساتھ ہی حضرت عمرؓ کا وہ معیار بھی شامل کر لیجئے کہ آپ نے کسی شخص سے کہا کہ وہ اپنے دعوٰئے کی تائید کے لئے کسی ایسے آدمی کو لائے جو اعتماد کے قابل ہو۔ اس نے ایک شخص کا نام لیا تو آپ نے اس

سے پوچھا:-

کیا تم نے کبھی اس کے ساتھ سفر کیا ہے　　اس نے کہا نہیں
پھر پوچھا ----- کیا تم کبھی اس کے ہمسایہ رہے ہو　　اس نے کہا نہیں
آپنے پھر پوچھا ----- کیا اس کے ساتھ تمہارا کبھی کوئی معاملہ پڑا ہے۔

جب اس نے اس پر بھی کہا کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ پھر تم اسکے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم نے اسے مسجد میں سرجھکاتے' سراٹھاتے دیکھ لیا ہو گا اور اس سے سمجھ لیا کہ وہ قابل اعتماد ہے۔ لہٰذا کسی امیدوار کے قابل اعتماد ہونے کا فاروقیؓ معیار بھی پیش نظر رکھیئے۔

آخر میں طلوعِ اسلام کی بزموں کیلئے خاص تاکید۔ گزشتہ تجربہ بتاتا ہے کہ انتخابی سرگرمیوں کے سلسلے میں ملک بحران میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ آپ کسی ہنگامے میں حصہ نہ لیں۔ مندرجہ بالا معیاروں کے مطابق بہترین اُمیدواروں کے حق میں ووٹ دیں اورخاموشی اور سکون سے قرآنی فکر کی نشرو اشاعت کے پروگرام پر حسبِ معمول عمل پیرا رہیں۔ یہ سب ہنگامے رفتہ رفتہ ختم ہو جائیں گے اور آخر الا سربلندی قرآن ہی کے پیغام کو نصیب ہو گی۔ آپ نے نہیں دیکھا کہ قرآن کے راستے میں حائل ہونیوالے موانعات خزاں کے زرد پتوں کی طرح کس طرح ایک ایک کر کے گرتے چلے جا رہے ہیں۔

❁ ❁ ❁ ❁

ضروری اعلان

مجلّہ طلوع اسلام آئندہ ہر ماہ کی 25 تاریخ کو سپرد ڈاک کر دیا جائیگا۔ بزموں اور دکانداروں کیلئے 5 روپے فی پرچہ کے حساب سے معقول کمشن پیش کیا جاتاہے۔ بزموں سے التماس ہے کہ وہ مقامی بک سیلرز اور نیوز ایجنسیوں سے آرڈر حاصل کر کے پرچے کی اشاعت بڑھانے میں معاونت فرمائیں۔

چیئرمین ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

روزہ کے احکام

چونکہ رمضان المبارک کا مہینہ قریب آرہا ہے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ (معمول کے مطابق) قرآن کی رو سے روزے کے احکام مختصر الفاظ میں بیان کر دیئے جائیں۔ یہ احکام سورہ بقرہ میں آئے ہیں۔ متعلقہ آیات یہ ہیں:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ (2/183)- "اے پیروان دعوت ایمانی! جس طرح تم سے پچھلی قوموں پر روزہ فرض کیا گیا تھا۔ اسی طرح تم پر بھی روزہ فرض کر دیا گیا ہے تاکہ تم قانون خداوندی کی نگہداشت کر سکو"۔

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ "یہ روزے چند گنے ہوئے دنوں کے ہیں"۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ "پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر دے"۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ "اور جو لوگ بدشواری روزہ رکھ سکیں ان کے لئے روزہ کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا کافی ہے"۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ ــــــ "روزے رمضان کے مہینے کے ہیں جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے"۔

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ (2/183-185)- "لہٰذا تم میں سے جو کوئی اس مہینہ میں اپنے گھر پر موجود ہو تو اسے اس مہینے کے روزے رکھنے چاہئیں۔ البتہ اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو ــــ تو وہ دوسرے دنوں سے گنتی پوری کرے"۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ص ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ج (2/187)- "اور کھاؤ پیو یہاں تک کہ تمہارے لئے صبح کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے متمیز ہو جائے۔ پھر رات تک روزہ پورا کرو"۔

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ (2/187)- "اور تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے اختلاط حلال کیا گیا ہے"۔

ان آیات سے معلوم ہو گیا کہ:

1- روزے رمضان کے مہینے کے ہیں (تین دن یا نو دن کے نہیں بلکہ پورے مہینے کے)

2- روزے میں، اس وقت سے لے کر جب صبح کی سفیدی نمودار ہو جائے، دن کے ختم ہونے تک کھانا پینا اور بیوی سے اختلاط منع ہے۔

3- روزے اس کیلئے ہیں کہ جو اس مہینہ میں

اپنے گھر پر موجود ہو اور تندرست ہو۔ مریض تندرست ہونے پر اور مسافر سفر سے واپسی پر دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر دے۔

4- اب ایک شکل اور باقی رہ جاتی ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص (عام عرفی معنوں میں) نہ تو بیمار ہے اور نہ مسافر ہے۔ لیکن کسی وجہ سے اسے روزے رکھنے دشوار ہیں۔ مثلاً ایک بوڑھا آدمی اپنے گھر پر موجود ہے اور مریض بھی نہیں لیکن بڑھاپے کی وجہ سے کمزور اتنا ہے کہ بمشکل روزہ رکھ سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ رمضان کے بعد دوسرے دنوں میں روزے رکھ کر گنتی پوری کر دے۔ ایسے لوگوں کا حکم، شق نمبر 4 میں بیان کر دیا گیا ہے کہ جو لوگ ایسے ہوں کہ بمشکل روزہ رکھ سکتے ہیں انہیں اپنے آپ کو دشواری میں ڈالنے کی ضرورت نہیں وہ روزہ کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔

غور فرمایئے! اوپر کی چاروں شقوں میں ہر قسم کے حالات جمع ہو گئے ہیں اور یہی احکام کی جامعیت کا تقاضا تھا۔

ہم نے **وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ** کا ترجمہ-- وہ لوگ جو بدشواری روزہ رکھ سکیں--- کیا ہے۔ حالانکہ اس کا عام ترجمہ-- اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں---- کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ ترجمہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ اس ترجمہ کی رو سے مطلب یہ ہو گا کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں۔ وہ تو ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں اور جن میں روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہ ہو وہ روزے رکھا کریں۔ حالانکہ قرآن کا منشاء یہ نہیں ہو سکتا۔

بات یہ ہے کہ لفظ "طاقت" کا جو مفہوم ہمارے ہاں اردو میں رائج ہے وہ اس سے مختلف ہے جو عربی زبان میں اس کا مفہوم ہوتا ہے۔ ہمارے مترجمین نے عربی کے لفظ "طاقت" کا ترجمہ اردو کے لفظ "طاقت" سے کر دیا۔ ان دونوں زبانوں کے مفہوم میں جو فرق تھا اسے نظر انداز کر گئے۔ عربی زبان میں اس لفظ کا کیا مفہوم ہوتا ہے۔ اس کے لئے عربی زبان کی لغات دیکھئے۔ محیط المحیط جلد دوم ص 1304 میں ہے۔

"طاقت کے معنی کسی چیز پر قدرت رکھنا ہیں۔ لیکن یہ قدرت کی ایسی مقدار کو کہتے ہیں کہ جسے انسان مشقت کر سکتا ہے۔ دراصل یہ لفظ اس طوق سے ماخوذ ہے جو کسی چیز کو اپنے گھیرے میں لے لیتا ہے۔ **لَا تُحَمِّلْنَا مَالَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ** کے معنی یہ نہیں کہ جس کی ہمیں قدرت نہ ہو بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس کا بجا لانا ہمیں دشوار ہو"۔

اس طرح عربی کی مشہور لغت لسان العرب ص 103 جلد 12 میں ہے کہ

"طاقت قدرت کی اس مقدار کا نام ہے جو کسی انسان کے لئے بہ مشقت کرنا ممکن ہو"۔

مفتی محمد عبدہ، اپنی تفسیر المنار ص 155 جلد نمبر 2 میں فرماتے ہیں۔

"اطاقته دراصل مکنت اور قدرت کے بالکل ادنیٰ درجہ کا نام ہے۔ چنانچہ عرب اطاقت الشیئی صرف اس وقت کہتے ہیں جب اس کی قدرت نہایت ہی ضعیف ہو۔ یعنی بدشواری اسے برداشت کر سکتا ہو۔ چنانچہ یطیقونه، سے مراد بوڑھے، ضعیف اور اپاہج لوگ ہیں جن کے اعذار کے دور ہو جانے کی کوئی توقع نہیں کی جا سکتی۔ اور وہ لوگ ہیں جو ان

ہی کی طرح معذور ہیں یعنی ایسے کام کاج کرنے والے لوگ جن کی معاش خدا نے پرمشقت کاموں میں رکھ دی ہے- اسی بنا پر امام راغب نے لکھا ہے کہ طاقت قدرت کی اس مقدار کا نام ہے جس کا کرنا انسان کے لئے مشقت ممکن ہو"-

اس کی تائید تفسیر کشاف سے بھی ہوتی ہے جس میں لکھا ہے کہ :-

"طاقته کے مفہوم میں وہ کام آتے ہیں جنہیں بہ تکلیف یا بہ مشقت کیا جا سکے اور وعلی الذین یطیقونه' سے مراد بوڑھے' مرد اور بوڑھی عورتیں ہیں- جن کے لئے روزہ نہ رکھ کر فدیہ دینے کا حکم ہے چنانچہ اسی بناء پر یہ آیت ثابت ہے منسوخ نہیں ہے"- (تفسیر کشاف ص 255 جلد نمبر1)

تفسیر روح المعانی میں ہے-

"عربی زبان میں الوسع کا لفظ اس قدرت کا نام ہے جو سہولت کے ساتھ ہو اور طاقته کا لفظ اس قدرت کا نام ہے جو شدت اور مشقت کے ساتھ ہو- لہٰذا (آیہ زیر نظر) کے معنی یہ ہوں گے اور ان لوگوں پر جو شدت اور مشقت کے ساتھ روزہ رکھ سکتے ہیں ایک مسکین کو کھانا کھلا دینا ہے"-----
(روح المعانی ص 59 جلد نمبر2)

تصریحات بالا سے آپ نے دیکھ لیا کہ عربی زبان میں لفظ "طاقته" کا مفہوم کیا ہے اور اس بنا پر وعلی الذین یطیقون' کا ترجمہ-- اور جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہوں--- کر دینا کس قدر غلط فہمیوں کا موجب ہو سکتا ہے- یہی وجہ ہے کہ ہم نے اس کا ترجمہ--- اور جو لوگ بدشواری روزہ رکھ سکیں-- کیا ہے-

جیسا کہ آپ جانتے ہیں قرآن کا اسلوب یہ ہے کہ وہ ایک اصول بیان کر دیتا ہے اور اسے امت کے اجتماعی نظام پر چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اس کی جزئیات خود متعین کر لے- چنانچہ علی الذین یطیقونه' میں بھی یہی اسلوب اجتماعی اختیار کیا گیا ہے- یہاں ایک اصول بیان کر دیا گیا ہے اور اس کی تفصیلات خود بیان نہیں کیں (کہ وہ لوگ کون ہیں جو بہ مشقت روزہ رکھ سکتے ہیں) اس کی تفاصیل پہلے بھی متعین کی جا چکی ہیں اور ان پر اب بھی غور کیا جا سکتا ہے- چنانچہ علامہ قرطبی کی کتاب "جامع احکام القرآن" ص 268-269 جدل نمبر2 میں ہے کہ :

"تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ بوڑھے مرد اور بوڑھی عورتیں جو روزہ رکھنے کی طاقت ہی نہیں رکھتے یا شدید مشقت کے ساتھ طاقت رکھتے ہیں- ان کیلئے روزہ نہ رکھنا جائز ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ ایسے لوگوں کے ذمے کیا ہے؟ چنانچہ امام ربیعؒ اور امام مالکؒ نے کہا ہے کہ ان کے ذمے کچھ بھی نہیں ہے- البتہ امام مالکؒ نے کہا ہے کہ اگر یہ لوگ روزانہ ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں تو میرے نزدیک یہ پسندیدہ ہے اور حضرت انسؓ' ابن عباسؓ' قیس بن السائب اور ابوہریرہؓ نے فرمایا ہے کہ ان لوگوں کے ذمہ فدیہ ہے- امام شافعیؒ اور اصحاب الرائے (حنیفہ) امام احمد اور امام اسحٰقؒ کا قول بھی یہی ہے- نیز ابن عباس کی روائت یہ ہے کہ انہوں نے اپنی ام ولد سے فرمایا جو حاملہ تھی یا بچہ کو دودھ پلا رہی تھی کہ تو ان لوگوں میں سے ہے جو مشقت روزے رکھ سکتے ہیں- لہٰذا تیرے ذمے فدیہ ہے قضا نہیں"-

مفتی سید محمد عبدہ' نے اور بھی اضافہ فرمایا ہے- چنانچہ وہ فرماتے ہیں :

"الذین یطیقونه' سے یہاں مراد بوڑھے' ضعیف

اور اپاہج لوگ ہیں جن کے اعذار کے دور ہو جانے کی امید نہیں ہوتی۔ ایسے ہی وہ لوگ بھی ان کے زمرے میں شمار ہونگے جو مزدور پیشہ ہوں جن کی معاش خدا نے پرمشقت کاموں میں رکھ دی ہے۔ مثلاً کانوں سے کوئلہ نکالنے والے اور وہ مجرم جن سے قید خانوں میں مشقت کے کام لئے جاتے ہیں اور جن پر روزہ رکھنا گراں ہو--- تیسری قسم کے وہ لوگ ہیں جن پر کسی ایسی وجہ سے جن کے دور ہو جانے کی کوئی امید نہ ہو۔ روزہ رکھنا گراں گذرتا ہو جیسے بڑھاپا۔ اور پیدائشی کمزوری اور ہمیشہ محنت کے کاموں میں مشغولیت اور پرانی بیماری جس کے اچھا ہونے کی امید نہ ہو۔ ایسے ہی وہ شخص جس کی مشقت کا سبب ہوتا رہتا ہے جیسے حاملہ عورت اور دودھ پلانے والی عورت۔ ان سب لوگوں کیلئے جائز ہے کہ وہ روزہ کے بجائے ایک مسکین کو کھانا کھلا دیں۔ اتنا کھانا جو ایک اوسط درجے کی خوراک کے آدمی کا پیٹ بھر سکے"۔ (تفسیر المنار ص 155-157 جلد نمبر 2)

ان تفاصیل سے حسب ذیل فہرست مرتب ہو جاتی ہے:

1- بوڑھا مرد اور بوڑھی عورت
2- حاملہ عورتیں
3- دودھ پلانے والی عورتیں
4- اپاہج اور معذور لوگ
5- پرانی بیماریوں والے جن کے اچھا ہونے کی امید نہ رہے اور وہ ان کی وجہ سے روزہ مشقت رکھ سکیں۔
6- ایسے کمزور لوگ جو خلقی اور پیدائشی طور پر (Constitutionaily) کمزور پیدا ہوئے ہوں۔
7- وہ مزدوری پیشہ لوگ جن کی معاش ہمیشہ پرمشقت کاموں میں ہوتی ہے مثلاً کانوں میں کام کرنے والے کارخانوں میں کام کرنے والے یا رکشہ چلانے والے۔
8- وہ مجرم جن سے جیل میں مشقت کے کام لئے جاتے ہوں۔

یہ فہرست جامع اور مانع نہیں۔ بحالات موجودہ اپنے اپنے حالات کے مطابق اس میں اضافہ ہو سکتا ہے' اصول یہی ہے کہ جو شخص بہ مشقت روزہ رکھ سکے وہ روزہ نہ رکھے۔

یہ ہیں روزوں کے متعلق مختصر الفاظ میں قرآن کے احکام۔ ان آیات کو آپ خود بھی قرآن کریم میں دیکھ لیں۔ (یعنی سورۂ بقرہ آیات نمبر 183 تا 188)

عید کارڈز

محدود تعداد میں رنگین عید کارڈ =/6 روپے فی کارڈ کے حساب سے امسال بھی دستیاب ہیں۔ حسب ضرورت بروقت منگوا لیجئے۔

ناظم ادارہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد عمر دراز

پرویزؒ صاحب کی دعوت کیا ہے؟

علامہ غلام احمد پرویز مرحوم، قرآنی فکر کی ایک بلند پایہ فاضل شخصیت تھے۔ انہوں نے اپنے عصر کے مایہ ناز اسلامی مفکرین، سر سید احمد خاںؒ، علامہ حافظ محمد اسلمؒ جیراج پوری اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے افکار سے استفادہ کیا اور ان کے تتبع میں رجعت الی القرآن کی آواز بلند کی اور تمام عمر قرآنِ کریم کے حقائق اور اُسے لانے والے رسول اعظم علیہ التحیہ والسلام کی عظمتِ کردار کو قوم کے سامنے پیش کرتے رہے۔

جب مفکرِ پاکستان، علامہ محمد اقبالؒ نے 1930ء میں ہندوستان کی حدود میں اسلام کو ایک جیتے جاگے نظام کی شکل میں قائم کرنے کے لئے "پاکستان" کا تصور دیا تو علامہ پرویزؒ اس کے سرگرم مبلغ بن گئے اور بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ کے ساتھ اس مملکت کے حصول کی کوششوں میں ہراول دستہ کے رکن کی حیثیت میں کام کرنے لگے۔ تحریکِ حصولِ پاکستان کی ابتداء سے ہی ہندوستان کے علمائے کرام نے اس تحریک کی مخالفت شروع کر دی۔ حضرت قائداعظمؒ نے پرویز صاحب کو علامہ اقبالؒ کی ترغیب پر اس "پاکستان مخالفت محاذ" کے سدّباب کے لئے منتخب کیا اور انہوں نے اپنی شبانہ روز محنت سے اس مجوّزہ مملکت اور اسکے قیام کی اہمیت کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے ارشادات کی روشنی میں قوم کے سامنے پیش کیا۔ آخر الامر حضرت قائداعظمؒ اور ان کے رفقاء کی حق پر مبنی ان کوششوں کو بارگاہِ ایزدی سے شرف قبولیت حاصل ہوا اور پاکستان مخالف علماء کے حصہ میں رُوسیاہی اور ندامت کے سوا کچھ نہ آیا۔ 14 اگست 1947ء کو پاکستان قائم ہو گیا۔ ان خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں 1989ء میں "تحریک پاکستان گولڈ میڈل" بھی پیش کیا جا چکا ہے۔

علماء کرام اپنی اس شکست کو کبھی بھول نہیں پائے۔ چونکہ علماء، علامہ غلام احمد پرویز کو اپنی شکست کا ذمہ دار گردانتے تھے، اس لئے انہوں نے شکستِ پندار کے انتقام کے طور پر پرویزؒ صاحب کے خلاف طرح طرح کے بے بنیاد الزامات لگانے شروع کر دیئے۔ پرویزؒ صاحب تمام عمر، ان الزامات اور بہتان طرازیوں سے بے پرواہ ہو کر قوم کے سامنے خلافت علیٰ منہاجِ نبوت کے قیام کے لئے اس نظام کے نقوش قوم کے سامنے پیش کرتے رہے جسے قائم کرنے کیلئے پاکستان حاصل کیا گیا تھا۔ ان کی فکری کاوشوں کو اب اندرون اور بیرونِ پاکستان سراہا جا رہا ہے اور یونیورسٹیوں کی اعلیٰ ڈگریوں کے لئے موضوع بنایا جا رہا ہے، اسی لحاظ سے یہ اعتراضات بھی پھر سے اُبھارے جا رہے ہیں۔

ان ہی بے بنیاد الزامات کی ایک تازہ کڑی ایک پمفلٹ کی شکل میں سامنے آئی ہے جسے اسلامی ثقافتی مرکز

کوپن ہیگن نے شائع کیا ہے۔ حسب معمول' انہوں نے بھی پرویز صاحب کی تحریروں کو یہاں وہاں سے الگ کر کے مختلف بہتان طرازیوں کا موضوع بنایا ہے۔ جس میں نبیؐ اکرمؐ کی اطاعت سے انکار' حدیث سے انکار' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ سے انکار اور قرآنِ کریم کی تلاوت سے انکار کے عنوانات قائم کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ پرویز صاحب کی دعوت دراصل یہود و ہنود اور ابلیس کی دعوت ہے۔ اس سے پیشتر کہ ہم پرویزؒ صاحب کے عقائد پر روشنی ڈالیں' ہم پرویز صاحب کی معرکہ آراء کتاب معراجِ انسانیت سے ایک اقتباس پیش کرتے ہیں' جسے پڑھ لینے کے بعد اس بات میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہنی چاہئے کہ اُن کے نزدیک حضور نبی اکرمؐ کا مقام کیا تھا اور ایک مسلمان کیلئے حضورؐ کی اطاعت کسقدر لازمی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

"یہ آنے والا رسولؐ کافۃً للناس اور رحمۃً للعالمین بن کر آیا اور اپنے ساتھ وہ نظامِ عدل و حریت لایا جو انسان کو دنیا بھر کی غلامی سے آزادی دلانے کا کفیل تھا۔ یہ پیغام کوئی انوکھا پیغام اور یہ تعلیم کوئی نئی تعلیم نہ تھی۔ صداقت جہاں کہیں بھی تھی' اُسی کتاب مبین کا کوئی نہ کوئی ورق تھی جو محمدؐ کی وساطت سے دنیا کو ملی۔ روشنی جس مقام میں بھی تھی' وہ اُسی قندیلِ آسمانی کی کوئی نہ کوئی کرن تھی جو قلبِ نبویؐ میں اُتاری گئی۔ شامِ جاں نوازنے جہاں کہیں بھی عطر بیزی و عنبر فشانی کی' وہ لالہؔ و یاسمن کی اُنہی پتیوں کی رہینِ منت تھی جن کا گلدستہ اِس نبیؐ آخرالزماںؐ کے مقدس ہاتھوں محرابِ کعبہ میں رکھا گیا۔ پیغامِ محمدیؐ کیا ہے؟ اُن ہی اوراق کی شیرازہ بندی جنہیں حوادثِ ارضی و سماوی کی تیز آندھیوں نے صحنِ کائنات میں اِدھر اُدھر بکھیر دیا تھا ----- اور مقامِ محمدؐ کیا ہے؟ اُن ہی درخشندہ و تابندہ ذرّاتِ نادرہ کا پیکرِ حسن و زیبائی جن کی حقیقی آب و تاب کو اُن کے ستائش گروں کی غلوآمیز عقیدت کی رنگینیوں نے مستور کر رکھا تھا۔ وہاں یہ جوہر الگ الگ پڑے تھے' یہاں یہ پیکرِ جلال و جمال ان سب کا حسین مجموعہ تھا۔ وہاں یہ الفاظ بکھرے ہوئے تھے' یہاں ایک ایسے عدیم النظیر مصرعہ میں آب و تاب سے موزوں ہو گئے تھے جو ضمیرِ کائنات میں قرنہاقرن سے پہلو بدل رہا تھا۔ وہ موتی تھے' یہ مالا تھی۔ وہ پتیاں تھیں' یہ پھول تھا۔ وہ ذرے تھے' یہ چٹان تھی۔ وہ قطرے تھے' یہ سمندر تھا۔ وہ ستارے تھے' یہ کہکشاں تھی۔ وہ افراد تھے' یہ ملت تھی۔ وہ نقطے تھے' یہ خطِّ مستقیم تھا۔ وہ ابتداء تھی' یہ انتہا تھا۔

خلق و تقدیر و ہدایت ابتداست
رحمۃٌ للعالمینی انتہاست

خدائے جلیل نے اپنے بندوں سے جو کچھ کہنا تھا' آخری مرتبہ کہہ دیا۔ شرفِ انسانیت کی تکمیل کے لیے جو قوانین دیئے جانے تھے' وہ اپنی انتہائی شکل میں دے دیئے گئے۔ اس کے بعد انسان کو اپنی منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لیے کسی دوسری مشعلِ راہ کی ضرورت اور

کسی اور ہادیٔ طریقت کی احتیاج نہ رہی۔ اب انسانیت کے مقامِ بلند تک پہنچنے کے لیے وُہی ایک صراطِ مستقیم ہے جس پر اُس ذاتِ اقدس و اعظمؐ کے نقوشِ قدم جگمگ جگمگ کر رہے ہیں۔ (معراج انسانیت صفحہ 74/79، پہلا ایڈیشن)

قرآنِ کریم کے مطابق حضورؐ ختم المرسلین تھے۔ یعنی سلسلۂ نبوت حضورؐ کی ذاتِ اقدس واعظم پر ختم ہو گیا۔ وقتاً فوقتاً مختلف ممالک میں مدّعیانِ نبوّت اُٹھتے رہے اور ملّتِ اسلامیہ میں انتشار اورفساد برپا کرتے رہے۔ ہندوستان میں بھی مرزا غلام احمد قادیانی نے نبوّت کا دعوٰی کیا۔ پرویزؒ صاحب نے احمدیت کی تحریک کو اپنی ایک مستقل تصنیف کاموضوع بنایا اور بتایا کہ اس تحریک کے اصل مقاصد کیا تھے اور حضور نبیٔ اکرمؐ کے بعد، دعوٰی نبوّت کرنے والے کی حقیقت کیا ہے۔ اس سے قبل پرویز صاحب ہی کے ایک مضمون سے استفادہ کر کے، بہاولپور کے ایک فاضل جج نے یہ فیصلہ دیا کہ حضور نبیٔ اکرمؐ کے بعد کسی بھی شخص کو نبی ماننے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ اس کی تفصیل دلچسپ بھی ہے اور حقیقت افروز بھی۔ یہ مقدمہ "مقدمہ بہاولپور" کے نام سے معروف ہے۔ تفصیل اس طرح ہے۔

"1926ء کا ذکر ہے۔ ریاست بہاولپور کی ایک عدالت میں ایک مقدمہ دائر ہوا جس میں ایک مسلمان خاتون نے یہ دعوٰی کیا کہ اُس کے خاوند نے قادیانی مسلک اختیار کر لیا ہے جس کی وجہ سے وہ مرتد ہو گیا ہے۔ اس لئے اُس شخص سے مدعیہ کا نکاح فسخ قرار دیا جائے۔ اس مقدمہ نے ملک گیرشہرت حاصل کر لی اور مسلمانوں میں ایک ہیجان پیدا ہوگیا۔ اس لئے نہیں کہ اس میں فریقین کی حیثیت بڑی ممتاز تھی، وہ تو بالکل غیر معروف سے تھے۔ یہ اس لئے کہ ہندوستان میں (غالباً) یہ اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا جس میں فیصلہ طلب سوال یہ تھا کہ ایک شخص قادیانی مسلک اختیار کرنے کے بعد مسلمان رہتا ہے یا نہیں۔ اس اعتبار سے یہ مقدمہ متعلقہ فریقین کا مابہ النزاع معاملہ نہ رہا بلکہ قادیانیوں اور غیر قادیانیوں کے مابین ایک دینی سوال بن گیا جس کا عدالتی فیصلہ، (ظاہر ہے کہ) بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ یہ مقدمہ قریب نو سال تک زیر سماعت رہا اور آخرالامر محمد اکبر صاحب ڈسٹرکٹ جج بہاول نگر نے (جو اب مرحوم ہو چکے ہیں) 7 فروری 1935ء کو اس کا فیصلہ سنا دیا۔ یہ فیصلہ اپنی شہرت اور اہمیت کے پیش نظر اس زمانے میں بھی الگ چھپ گیا تھا اور اس کے بعد بھی چھپتا رہا"۔ (تحریک احمدیت اور ختم نبوت، ایڈیشن تیسرا)

حال ہی میں، اسلامک فاؤنڈیشن، 1- ڈیوس روڈ لاہور نے اسے "مقدمہ مرزائیہ بہاولپور" کے عنوان سے من و عن تین جلدوں میں شائع کیا ہے اور اس کی ضخامت 1856 صفحات پر مشتمل ہے۔ اس فیصلہ میں صفحہ 17 پر لکھا ہے کہ مدعیہ کی طرف سے چھ گواہان مولوی غلام محمد صاحب شیخ الجامعہ عباسیہ بہاولپور، مولوی محمد حسین صاحب سکنہ گوجرانوالہ، مولوی محمد شفیع صاحب، مفتی دارالعلوم دیو بند، مولوی مرتضٰی حسن صاحب چاند پوری،

سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری (شیخ الحدیث دارالعلوم دیو بند)' مولوی نجم الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور پیش ہوئے۔ اس سے اس مسئلہ کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ اس مسئلہ کا سارا دارومدار اس بات پر تھا کہ نبوّت کی حقیقت کیا ہے اور نبی کسے کہتے ہیں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ:

"موجودہ زمانے میں بہت سے مسلمان نبی کی حقیقت سے بھی آشنا نہیں۔ اس لئے بھی ان کے دلوں میں یہ مسئلہ گھر نہیں کر سکتا کہ مرزا صاحب کو نبی ماننے میں کیا قباحت ہوتی ہے کہ جس پر اس قدر چیخ و پکار کی جا رہی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ اس کی تھوڑی سی حقیقت بیان کر دی جائے۔" (فیصلہ مذکورہ صفحہ 53)

آگے چل کر فاضل جج نے لکھا ہے کہ مدعیہ اور مختلف علمائے کرام کی طرف سے پیش کردہ نبی کی تعریفیں میرا اطمینان نہ کر سکیں وہ لکھتے ہیں کہ:

"یہ تعریفیں چونکہ اس حقیقت کے اظہار کے لیے کافی نہ تھیں' اس لیے میں اس جستجو میں رہا کہ نبی یا رسول کی کوئی ایسی تعریف مل جائے جو تصریحاتِ قرآن کی رُو سے تمام لوازمِ نبوّت پر حاوی ہو۔ اس سلسلہ میں مجھے مولانا محمود علی صاحب' پروفیسر رندھیر کالج کی کتاب دین و آئین دیکھنے کا موقعہ ملا۔ انہوں نے معترضین کے خیالات کو مدنظر رکھتے ہوئے نبوت کی حقیت یہ بیان کی کہ جس شخص کے دل میں کوئی نیک تجویز بغیر ظاہری وسائل اور غور کے پیدا ہو۔ ایسا شخص پیغمبر کہلاتا ہے اور اس کے خیالات کو وحی سمجھا جاتا ہے۔ لیکن یہ تعریف بھی مجھے دلچسپ معلوم نہ ہوئی۔ آخر کار ایک رسالہ میں ایک مضمون بعنوان میکانیکی اسلام ازجناب چودھری غلام احمد صاحب پرویز میری نظر سے گزرا۔ اس میں انہوں نے مذہب اسلام کے متعلق آج کل کے روشن ضمیر طبقہ کے خیالات کی ترجمانی کی ہے۔ اور پھر خود ہی اس کے حقائق بیان کئے ہیں۔ اس سلسلہ میں نبوّت کی جو حقیقت انہوں نے بیان کی ہے۔ میری رائے میں اس سے بہتر اور کوئی بیان نہیں کی جا سکتی۔ اور میرے خیال میں فریقین میں سے کسی کو اس پر انکار بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لیے میں ان کے الفاظ میں ہی اس حقیقت کو بیان کرتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں" کہ آج کل کے معقولیت پسندوں کی جماعت کے نزدیک رسول کا تصوّر یہ ہے کہ وہ ایک سیاسی لیڈر اور ایک مصلح قوم ہوتا ہے جو اپنی قوم کی نکبت اور زبوں حالی سے متأثر ہو کر انہیں فلاح و بہبود کی طرف بلاتا ہے اور تھوڑے ہی دنوں میں ان کے اندر انضباط و ایثار کی رُوح پھونک کر زمین کے بہترین خطّوں کا اُن کو مالک بنا دیتا ہے۔ اس کی حقیقت قوم کے ایک امیر کے قسم کی ہوتی ہے جن کے ہر حکم کا اتباع اس لیے لازمی ہوتا ہے کہ اس سے انحراف سے قوم کی اجتماعی قوت میں انتشار پیدا ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے اور وہ دنیاوی نعمتیں جو اس کے حسنِ تدبیر سے حاصل ہوئی

تھیں، اُن کے چھن جانے کا احتمال ہوتا ہے۔ اس کا حُسنِ تدبّر۔ عقل۔ حکمت، ذہن انسان کے ارتقاء کی بہترین کڑی ہوتا ہے۔ اس لیے وہ اپنے ماحول کا بہترین مفکّر شمار کیا جاتا ہے۔ کثرتِ ریاضت سے برائی کی قوتیں اس سے سلب ہو جاتی ہیں۔ اور نیکی کی قوتیں نمایاں طور پر اُبھر آتی ہیں۔ انہی قوتوں کا نام اُن کے نزدیک ابلیس اور ملائکہ ہے۔ اس کا جواب پھر انہوں نے بحوالہ آیاتِ قرآنی یہ دیا کہ رسول بلاشبہ مصلح اور مدبّرِ ملّت ہوتا ہے۔ لیکن اس کی حقیقت دنیاوی مصلحین اور مدبّرین سے بالکل جُداگانہ ہوتی ہے۔ دنیاوی مفکّرین و مدبّرین اپنے ماحول کی پیداوار ہوتے ہیں۔ اور ان کا فلسفۂ اصلاح و بہبود ان کی اپنی پروازِ فکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ جو کبھی صحیح اور کبھی غلط ہوتا ہے۔ برعکس اس کے انبیاءِ کرام مامور من اللہ ہوتے ہیں اور اُن کا سلسلہ اِس دنیا میں خاص مشیتِ باری تعالیٰ کے ماتحت چلتا ہے۔ وہ نہ اپنے ماحول سے متأثر اور نہ احوال و ظروف کی پیداوار ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کا انتخاب مملکتِ ایزدی سے ہوتا ہے اور ان کا سرچشمۂ علوم و ہدایت، علمِ باری تعالیٰ سے ہوتا ہے جس میں کسی سہو و خطا کی گنجائش نہیں ہوتی۔ ان کا سینہ علمِ لدنّی سے معمور اور ان کا قلب تجلّیاتِ نورانی سے منوّر ہوتا ہے۔ دنیاوی سیاست و تفکّر صفت ہے جو اکتساباً حاصل ہوتی ہے اور مشق و مہارت سے یہ ملکہ بڑھتا ہے۔ لیکن نبوّت ایک موہبتِ ربّانی اور عطائے یزدانی ہے جس میں کسب و مشق کو کچھ دخل نہیں۔ قوم و اُمّت کی ترقّی اِن کے بھی پیشِ نظر ہوتی ہے لیکن سب سے مقدّم اخلاقِ انسانی کی اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اس کا پیغام زمان و مکان کی قیود سے بالا ہوتا ہے اور وہ تمام انسانوں کو راستہ دکھلانے والا اور ان کا مطاع ہوتا ہے۔ اس کی اطاعت میں خدا کی اطاعت اور اس کی معصیت، خدا کی معصیت ہوتی ہے۔ اور جو لائحۂ حیات اس کی وساطت سے دنیا کو ملتا ہے اس میں کوئی دنیاوی طاقت ردّوبدل نہیں کر سکتی، بلکہ دنیا بھر کی عقول میں جہاں کہیں اختلاف ہو اس کا فیصلہ بھی اسی کی مشعلِ ہدایت سے ہو سکتا ہے۔ اُن کو خدائی پیغام ملائکہ کی وساطت سے ملتے ہیں جو اگرچہ عالمِ امر سے متعلق ہونے کی وجہ سے سرحدِ ادراکِ انسانی سے بالاتر ہیں لیکن ان کا وجود محض انسان کی ملکوتی قوتیں نہیں ہیں۔"

پرویزؒ صاحب کا یہ اقتباس دینے کے بعد فاضل جج نے لکھا ہے :

" اس حقیقت کو ذہن نشین رکھنے کے بعد یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ رسول اللہ صلعم کے بعد کسی دوسرے نبی کو تسلیم کرنے سے کیا قباحت لازم آئے گی۔ تصریحاتِ قرآنی کی رُو سے نیا نبی مطاع ہو جائے گا۔ اس سے اختلاف نہیں کیا جا سکے گا۔ اس کی ہر بات کے آگے سرِ تسلیم خم کرنا پڑے گا۔ وہ جو حکم دے گا اس کی تعمیل لازمی ہوگی

ورنہ اعمال کے خبط ہونے کا اندیشہ ہو گا۔ اس کی شان میں ذرا بھر گستاخی نہیں کی جا سکے گی بلکہ اس کے سامنے اُونچا بولنا بھی گناہ ہو گا۔ اس کی اطاعت' عین خدا کی اطاعت ہو گی۔ اور اس سے رُوگردانی ایمان سے خارج ہونے کا باعث اور موجبِ عذابِ الٰہی ہو گی۔"

اس کے بعد فاضل جج لکھتے ہیں کہ

"قرآنِ حکیم میں حیاتِ انسانی کی پوری انتہا واضح نہیں فرمائی گئی اور جیسا کہ چودھری غلام احمد صاحب پرویز مضمونِ محوّلہ بالا میں لکھتے ہیں' جنت بھی جو بالعموم منزلِ مقصود سمجھی جاتی ہے درحقیقت اصل منزلِ مقصود نہیں بلکہ راستہ کا ایک خوشنما منظر ہے۔ جیسا کہ قرآنِ مجید میں جنّتیوں کی اس دعا سے ظاہر ہوتا ہے' يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا۔ اس منتہٰی کو ایک راز رکھا گیا ہے۔ نہ معلوم کہ حضورؐ کے فیض سے اُمّت کو کیا کچھ عطا فرمایا جائے۔"

کہنے ایک ایسا شخص جس کے ایک مضمون کو پڑھ کر' جو براہِ راست موضوعِ زیرِ بحث سے متعلق بھی نہ تھا' ایک جج 9 سال پرانے مسئلے کو جو کسی طرح حل ہونے میں نہ آتا تھا' یوں سمجھ جاتا ہے کہ اس کی بنیاد پر یہ فیصلہ صادر کرتا ہے کہ حضورؐ کے بعد کسی اور شخص کو نبی ماننے سے انسان دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے' آپ کسی طرح بھی اسے منکرِ شانِ رسالت کہہ سکتے ہیں؟ کیا ایسا شخص فی الواقعہ مقامِ نبوّت کو اُبھار اور نکھار کر دنیا کے سامنے پیش نہیں کر رہا؟

ناطقہ سرگریباں کہ اسے کیا کہئے؟

ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے بعد پرویزؒ صاحب کے دفاع میں کچھ اور لکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ عام طور پر ان کے خلاف مندرجہ ذیل اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں اور اس پمفلٹ میں بھی ان کا اعادہ کیا گیا ہے۔ ان کی تحریروں کو سیاق و سباق سے الگ کر کے پیش کیا جاتا ہے' جن سے غلط فہمی ہی نہیں بلکہ گمراہی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے' اس لئے ہم ان کا ذرا تفصیلی جائزہ لیتے ہیں۔ یہ اعتراضات بالعموم اس قسم کے ہوتے ہیں۔

1- نبی اکرمؐ کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں۔
2- حدیثؐ کو ماننے سے انکار کرتے ہیں۔
3- نماز سے انکار کرتے ہیں۔
4- زکوٰۃ سے انکار کرتے ہیں۔
5- حج سے انکار کرتے ہیں۔
6- قربانی سے انکار کرتے ہیں۔
7- کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم کو بلا سمجھے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔
8- صحابہ کرامؓ اور سلفِ صالحینؒ کی راہ پر چلنے کو اندھی تقلید کہتے ہیں اور اپنی تقلید کی دعوت دیتے ہیں۔

9- جنت اور دوزخ سے انکار کرتے ہیں۔

اب ہم پرویز صاحب کی تحریرات کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں جن سے ان کی ایک ایک بات جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوتی ہے۔

پہلا اعتراض - پرویزؒ صاحب نبی اکرمؐ کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں۔

جو کچھ پرویزؒ صاحب نے کہا ہے' وہ اس کے سوا کچھ نہیں جو قرآن نازل کرنے والے اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:۔

"مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ" (3:79)

"کسی شخص کو بھی اس کا حق نہیں کہ اللہ اسے (انسانوں کی ہدایت کے لئے) کتاب' حکومت اور نبوت عطا فرمائے اور پھر وہ لوگوں سے کہنے لگ جائے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ (یعنی خدا کے احکام کی بجائے میرے حکموں کی اطاعت کرو) وہ یہی کہے گا کہ تمہیں چاہئے کہ تم ربّانی انسان (یعنی اللہ کے احکام کی اطاعت کرنے والے) بن جاؤ' اس لئے کہ تم کتاب اللہ کی تعلیم دیتے رہتے ہو اور اس کا مفہوم و مقصود سمجھنے سمجھانے میں کوشاں رہتے ہو۔"

غور فرمایا آپ نے' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اور تو اور نبی کو بھی اس کا حق نہیں کہ وہ لوگوں سے اللہ کے احکام کی بجائے اپنے حکموں کی اطاعت کرائے۔ وہ یہی کہے گا کہ

"وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ط هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ" (19/36)

"اور بلاشبہ اللہ ہی میرا اور تمہارا پروردگار ہے۔ پس اسی کی عبدیت (محکومیت اور اطاعت) اختیار کرو۔ یہی سچائی کا سیدھا راستہ ہے۔"

رسول اسی ارشادِ ربانی کے تحت یہ اعلان کرتا ہے کہ

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَ مَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ (9:46)

"میں تو صرف اس کا اتّباع کرتا ہوں جو مجھ پر وحی کیا جاتا ہے اور میری حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ میں تمہیں (غلط روش زندگی کے نتائج سے) صاف صاف آگاہ کرنے والا ہوں۔

ان آیاتِ جلیلہ سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوتی ہے کہ رسولؐ اپنے خیالات و جذبات و احکامات کی اطاعت نہیں کراتا بلکہ صرف اور صرف اُن احکامات کی اطاعت کراتا ہے جو اُس پر اللہ کی طرف سے وحی کئے جاتے ہیں۔ یعنی اطاعت صرف اللہ تعالیٰ کے احکامات کی ہے۔ لیکن اللہ کے احکامات کی اطاعت بہرحال

رسول ہی کی وساطت سے ہو سکتی ہے کیونکہ وہی انسانوں کو بتاتا ہے کہ اللہ کے وہ احکامات کیا ہیں جو اُس پر وحی کئے جاتے ہیں (تھے) ہم ان احکامات کو رسول کے وسیلہ کے بغیر جان ہی نہیں سکتے تو پھر رسول کے بغیر ان کی اطاعت کیسے کر سکتے ہیں۔ (اب یہ اطاعت قرآنِ کریم کی رُو سے ہو گی)' لہٰذا' رسول کی اطاعت درحقیقت' اللہ کی اطاعت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے' اپنی اور رسول کی اطاعت کے لئے صیغہ بھی واحد ہی کا استعمال کیا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ (8/20)

" اللہ اور رسول کی اطاعت کرو اور اس سے رُوگردانی نہ کرو جبکہ تم سن رہے ہو (جو کچھ وہ کہتا ہے)۔"

یہاں اللہ اور رسول کی اطاعت سے رُوگردانی کے لئے واحد کی ضمیر' عنہ' استعمال کی گئی ہے جس سے واضح ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت دو الگ الگ چیزیں نہیں' ایک ہی چیز ہے۔

اس سے تین آیات بعد کہا گیا ہے کہ

اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ..... (8/24)

"اللہ اور رسول کی دعوت پر لبیک کہو (اس کا جواب دو) جب وہ (رسول) تمہیں اس کی طرف پکارے جو تمہیں زندگی بخشنے والا ہے۔"

یہاں بھی اللہ اور رسول کی دعوت (پکارنے) کے لئے واحد کی ضمیر "دَعَا" استعمال کی گئی ہے جس سے ظاہر ہے کہ اللہ کی دعوت اور سول کی دعوت الگ الگ نہیں' ایک ہی دعوت ہے۔

"اللہ اور رسول کی اطاعت" کی ترکیب کو سمجھ لینا نہایت اہم ہے۔ اس کے صحیح مفہوم کے سامنے نہ ہونے سے اس قسم کا ابہام پیدا ہوتا ہے' جس کا شکار اسلامی ثقافتی مرکز کوپن ہیگن کے مولوی صاحبان ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے۔ پرویز صاحب اس بارے میں کیا لکھتے ہیں:

> **اللہ اور رسول کی اطاعت :** چونکہ نظامِ دین میں' اللہ کے احکام حکومتِ خداوندی کی طرف سے نافذ ہوتے تھے اور یہ کہ اُس حکومت کے احکام کی مرکزی قوتِ نافذہ رسولؐ کی محسوس شخصیت تھی اس لیے ان مرکزی احکام کی اطاعت کو اللہ اور رسول کی اطاعت قرار دیا گیا' یعنی اس نظامِ خداوندی کی اطاعت جو رسول کے ہاتھوں میں متشکل ہوا ہے اور جس کی مرکزی اتھارٹی سب سے پہلے' خود رسول ہے۔ اسلامی نظام میں یہ بڑا اہم نکتہ ہے جسے اچھی طرح سے سمجھ لینا نہایت ضروری ہے۔ اللہ اور سول کی اطاعت سے دو الگ الگ مطاعوں کی اطاعت متصوّر نہیں' اس لیے کہ جیسا کہ ہم پہلے دیکھ چکے ہیں' یہ تصوّر قرآن کی بنیادی تعلیم کے منافی ہے کہ اطاعت اللہ کے سوا کسی اور کی بھی ہو سکتی ہے۔ حتیٰ کہ خود رسول کے متعلق واضح اور غیر مبہم الفاظ میں بتلا دیا گیا کہ اسے بھی قطعاً" یہ حق حاصل

نہیں کہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے۔ لہٰذا اللہ اور رسول سے مُراد وہ مرکزِ نظام اسلامی (CENTRAL AUTHORITY) ہے جہاں سے قرآنی احکام نافذ ہوں گے۔ یہ حقیقت کہ اللہ اور رسول سے مرکزِ ملّت مُراد ہے' قرآنِ کریم میں ایسے واضح الفاظ میں اور اس شرح و بسط سے بیان ہوئی ہے کہ اِن مقامات کو بغور دیکھ لینے کے بعد' اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ جنگِ اُحد میں جب مسلمانوں کی فوج میں خلفشار پیدا ہو گیا اور حضورؐ تنہا رہ گئے تو آپؐ نے ان بکھرے ہوئے پروانوں کو آواز دی۔ اس آواز پر وہ سب پھر اس شمع کے گِرد جمع ہو گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ آواز نبیٔ اکرمؐ نے دی تھی لیکن چونکہ یہ بلاوا حضورؐ کا ذاتی بلاوا نہ تھا' بلکہ آپؐ نے بہ حیثیت مرکزِ ملّت یہ آواز دی تھی' اس لیے اس آواز کو خدا اور رسول کی آواز قرار دیا گیا۔

اَلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰہِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ ۚ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَ اتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِیْمٌ 3/171

"جن لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کی پکار کا جواب دیا (اور جنگ کے لیے تیار ہو گئے) باوجودیکہ (اس سے ذرا ہی پہلے وہ) زخم کھا چکے تھے' سو یاد رکھو' ان مین جو لوگ نیک کردار اور متقی ہیں' یقیناً" ان کے لیے (اللہ کے حضور) بہت بڑا اجر ہے۔"

یہودیوں نے مدینہ میں اُس عہد کو توڑا تھا جو اُنہوں نے نبیٔ اکرمؐ سے استوار کیا تھا۔ اس عہد شکنی کو "خدا اور رسول" کی مخالفت کہہ کر پکارا گیا ہے' اس لیے کہ یہ مخالفت نظامِ اسلامی کی مخالفت تھی۔

ذٰلِکَ بِاَنَّھُمْ شَآقُّوا اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ مَنْ یُّشَاقِّ اللّٰہَ فَاِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ 8/13

"یہ اس لیے ہے کہ انہوں نے "اللہ اور اس کے رسول" کی مخالفت کی ہے اور جو کوئی اللہ (کے حکم) کی مخالفت کرتا ہے' تو (یاد رکھو) اللہ کا قانون (پاداشِ عمل میں) سخت سزا دینے والا ہے۔"

نظامِ اسلامی کے خلاف بغاوت کر کے فتنہ و فساد برپا کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ خدا اور رسول کے خلاف اعلانِ جنگ کرتے ہیں۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْھِمْ وَ اَرْجُلُھُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِکَ لَھُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا وَ لَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (5/33)

بلاشبہ اُن لوگوں کی جو "اللہ اور اس کے رسول" کے ساتھ جنگ کرتے ہیں اور ملک میں خرابی پھیلانے کے لیے دوڑے پھرتے ہیں' یہی سزا ہے کہ قتل کر دیئے جائیں' یا سُولی پر چڑھا دیئے جائیں' یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ ڈالے جائیں' یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے (یعنی جیسی کچھ سزا ان کے لیے ضروری ہو' انہیں دی جائے)۔ یہ ان کے لیے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے عذابِ عظیم ہے۔

جب نظامِ حکومت کے قیام کے بعد' سب سے پہلا اجتماعِ عظیم (حجِّ اکبر) ہوا تو اس میں اس حکومت کی طرف سے کچھ عام اعلانات کیے گئے جن میں بتایا گیا کہ اس حکومت کی پالیسی اور امورِ خارجہ میں مسلک کیا ہو گا۔ اس ضمن میں جو سب سے پہلا اعلان کیا گیا' اس کے الفاظ یہ تھے۔

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ 9/1

"(اے پیروانِ دعوت ایمانی!) جن مشرکوں کے ساتھ تم نے (صلح و امن کا) معاہدہ کیا تھا' اب ان کے لیے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بری الذّمہ ہونے کا اعلان ہے !"

پھر تیسری آیت میں ہے۔

وَ اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ 9/3

"اور "اللہ اور اس کے رسول" کی طرف سے حج کے بڑے دن عام منادی کی جاتی ہے کہ اللہ مشرکوں سے بری الذّمہ ہے اور اس کا رسول بھی (یعنی ان میں اور نظامِ حکومتِ خداوندی میں اب کوئی معاہدہ باقی نہیں رہا) پس اگر تم (اب بھی ظلم و شرارت سے) باز آ جاؤ تو تمہارے لیے اس میں بہتری ہے اور اگر نہ مانو گے تو جان رکھو' تم نظامِ حکومتِ خداوندی کو عاجز نہیں کر سکتے= اور (اے پیغمبر اسلام!) جو لوگ کُفر کی راہ چل رہے ہیں' انہیں عذابِ دردناک کی خوشخبری سنا دو۔"

پھر ساتویں آیت میں ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ

يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ 9/7

"یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ (ان) مشرکوں کا عہد' اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک عہد ہو؟ جن لوگوں کے ساتھ تم نے مسجدِ حرام کے قریب (حدیبیہ میں) عہد و پیمان باندھا تھا (اور انہوں نے اسے نہیں توڑا' تو ان کا عہد' ضرور عہد ہے' اور) جب تک وہ تمہارے ساتھ (اپنے عہد پر) قائم رہیں' تم بھی ان کے ساتھ اپنے عہد پر قائم رہو۔ اللہ انہیں دوست رکھتا ہے جو(اپنے تمام کاموں میں) متقی ہوتے ہیں"۔

"اللہ اور رسول" سے مراد مرکز نظام اسلامی ہے :۔ غور کیجئے۔ یہ تمام معاہدات اسلامی حکومت کے ساتھ تھے اور اسی حکومت کے نمائندہ کی طرف سے یہ اعلانات ہو رہے تھے' لیکن انہیں اللہ اور رسول کے منشورات کہا گیا ہے۔ اس تبیانِ حقیقت سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کی توجہات کو اس نقطۂ ماسکہ کی طرف مرکوز کیا جائے کہ اگرچہ یہ تمام احکام رسول کی طرف سے صادر ہو رہے ہیں' لیکن درحقیقت' یہ اللہ کے احکام ہیں' اس لیے کہ یہ نظامِ حکومتِ خداوندی کے مرکز کی طرف سے نافذ ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں دین کے غلبہ و تمکن اور حزب اللہ کی کامیابی و ظفرمندی کے متعلق متعدد مقامات پر وعدے کیے ہیں۔ اس غلبہ و کامیابی کے متعلق فرمایا کہ یہ اللہ اور رسول کی کامیابی ہے۔

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ (58/21)

"اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرا رسول ہی غالب رہیں گے۔ بلاشبہ اللہ قوت وغلبہ والا ہے۔"

ظاہر ہے کہ یہ غلبہ اور تسلّط' اسلامی حکومت ہی کا تمکن و تسلط تھا' ورنہ اللہ تو ہر جگہ غالب ہے۔ لہٰذا اللہ اور رسول کے غلبہ سے مُراد نظامِ اسلامی کے غلبہ ہی سے ہے۔ جب مسلمانوں کی مملکت قائم ہو گئی (جسے حکومتِ خداوندی یا اسلامی نظام کہا جاتا ہے) تو ظاہر ہے کہ اس حکومت کی جو آمدنی ہوتی تھی وہ مملکت کی آمدنی تھی۔ اسے بھی قرآن کریم نے "خدا اور رسول" کی دولت کہہ کر پکارا ہے (8/1)- مالِ غنیمت کی تقسیم کے سلسلہ میں کہا کہ اس کا خُمس (پانچواں حصہ) "اللہ اور رسول کے لیے الگ کر لو (8/41)۔ ظاہر ہے کہ اس سے مُراد یہی ہے کہ یہ پانچواں حصّہ' امورِ مملکت کی سرانجام دہی کے لیے صرف کیا جائے گا۔

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ :۔ اب سورۃ نساء کی اس آیت کی طرف آیئے جس میں یہ نظام وضاحت سے بیان ہوا ہے (اور جس کے غلط مفہوم نے مدتہا

سے ملّت کو بہت سے مُغالطوں میں اُلجھا رکھا ہے) ارشاد ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا (4/59)

اس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔

"اے پیروانِ دعوتِ ایمانی! اللہ کی اطاعت کرو' اللہ کے رسول کی اطاعت کرو اور ان لوگوں کی اطاعت کرو جو تم میں صاحب حکم و اختیار ہوں۔ پھر اگر ایسا ہو کہ کسی معاملہ میں باہم جھگڑ پڑو (یعنی اختلاف و نزاع پیدا ہو جائے) تو چاہئے کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف رجوع کرو (اور جو کچھ وہاں سے فیصلہ ملے' اسے تسلیم کر لو) اگر تم اللہ پر اور آخرت کے دن پر ایمان (یقین) رکھتے ہو (تو تمہارے لیے راہِ عمل یہی ہے)۔ اسی میں تمہارے لیے بہتری ہے اور اسی میں انجامِ کار کی خوبی ہے (کیونکہ اختلاف اور نزاع کے اُبھرنے کا موقع نہیں رہتا اور فتنوں فسادوں کا دروازہ بند ہو جاتا ہے)"

اس آیت کا صحیح مفہوم کیا ہے' اسے چند سطریں آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ لیکن جو مفہوم ہمارے ہاں عام طور پر لیا جاتا ہے' وہ یہ ہے کہ:

(1) اللہ کی اطاعت سے مُراد ہے قرآن کی اطاعت۔

(2) رسول کی اطاعت سے مُراد ہے' احادیث کی اطاعت' اور

(3) اُولی الامر کی اطاعت سے مُراد ہے' حکومت کی اطاعت۔

اور اس کے بعد مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ اگر تمہیں کسی معاملہ میں حکومت سے اختلاف ہو تو اسے دُور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ قرآن اور حدیث کی رُو سے حکومت کے ساتھ مناظرہ کیا جائے اور جو ہار جائے' فیصلہ اس کے خلاف ہو جائے۔

اس مفہوم کی رُو سے غور کیجئے کہ (علاوہ دیگر امور) دنیا میں کوئی نظامِ حکومت اس طرح سے قائم بھی رہ سکتا ہے جس میں حالت یہ ہو کہ حکومت ایک قانون نافذ کرے اور جس کا جی چاہے' اس کی مخالفت میں کھڑا ہو جائے اور قرآن وحدیث کی کتابیں بغل میں داب کر مناظرہ کا

چیلنج دیدے !

اس آیتِ مقدّسہ کا مفہوم بالکل واضح ہے۔ اس میں اللہ اور رسول سے مُراد مرکزِ ملّت یعنی نظامِ خداوندی کی (CENTRAL AUTHORITY) اور اُولوالامر سے مفہوم ہیں افسرانِ ماتحت۔ اس سے مطلب یہ ہے کہ اگر کسی مقامی افسر سے کسی معاملہ میں اختلاف ہو جائے' تو بجائے اس کے کہ وہیں مناقشات شروع کر دو' امرِ متنازعہ فیہ کو مرکزی حکومت کے سامنے پیش کر دو (اسے مرکزی حکومت کی طرف REFER کر دو۔) مرکز کا فیصلہ سب کے لیے واجب التسلیم ہو گا' یعنی اس نظام میں مقامی افسروں کے فیصلوں کے خلاف مرکزی عدالت عالیہ میں مرافعہ (اپیل) کی گنجائش باقی رکھی گئی ہے۔ یہ کہ اُولا الامر سے مُراد مقامی حکام ہیں' اسی سورۃ کی ایک دوسری آیت سے واضح ہے جس میں کہا گیا ہے کہ

وَ اِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَ لَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰۤى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ؕ (2/83)

"اور جب ان لوگوں کے پاس امن یا خوف کی کوئی خبر پہنچ جاتی ہے تو یہ (فورا") اسے لوگوں میں پھیلا دیتے ہیں۔ اگر یہ اسے (لوگوں میں پھیلانے کی جگہ) اللہ کے رسول کے سامنے اور ان لوگوں کے سامنے جو ان میں صاحبِ حکم واختیار ہیں' پیش کرتے' تو جو بات کی تہ تک پہنچنے والے ہیں' وہ اس کی حقیقت معلوم کر لیتے (اور عوام میں تشویش نہ پھیلتی)۔"

یعنی اگر اس قسم کا واقعہ مدینہ میں ظہورپذیر ہو' تو اس کی اطلاع رسول اللہ کو دی جائے اور اگر کہیں باہر ہو تو مقامی حکام کو اس سے مطلع کیا جائے' اس سلسلے میں قرآنِ کریم سے متعدّد آیات پیش کی جا سکتی ہیں' لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ مقصدِ پیش نظر کے لیے اتنی آیات ہی کافی ہیں۔ 1؎

ان تصریحات سے واضح ہے کہ نظامِ قرآنی میں اطاعت' مرکزِ ملّت کی ہے اور چونکہ یہ مرکز قوانینِ خداوندی کی تنفیذ کرتا ہے اور سب سے پہلا مرکز رسولِ اکرمؐ کی ذاتِ گرامی تھی' اس لیے قرآنِ کریم میں مرکزِ ملّت کو "اللہ اور رسول" کے الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یاد رکھئے ! "مرکزِ ملّت سے مُراد مسلمانوں کی ہر حکومت کا سربراہ نہیں۔ اس سے مُراد اس حکومت کا سربراہ' مرکزی اتھارٹی ہے' جو قوانینِ خداوندی کو نافذ کرنے کے لیے قائم ہو۔ اس حکومت کو سب سے پہلے' خود نبیؐ اکرمؐ نے قائم فرمایا تھا اور وہی اس کے اوّلین سربراہ

1؎ جو حضرات زیادہ تفصیل چاہتے ہیں' وہ طلوع اسلام کی طرف سے شائع شدہ کتاب "اسلام کیا ہے؟" کا مطالعہ فرما لیں۔

تھے۔

اس ضمن میں قرآنِ کریم کی متعدّد آیات یہ ثابت کرتی ہیں کہ اللہ اور رسول سے مُراد "مرکزِ نظامِ اسلامی" ہے۔ اس نکتہ کو نہ سمجھنے والے اور "اسلامی ثقافتی مرکز" کی نوع کے لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جو:

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ

"یہ چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے درمیان فرق پیدا کر دیں (انہیں الگ الگ کر دیں)۔

ان کے لئے اللہ نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے" (4/150)

ہم سمجھتے ہیں کہ مذکورہ بالا تصریحات سے یہ بات **اظہر من الشمس** ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت دو الگ الگ چیزیں نہیں ہیں اور یہ جو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ کسی بھی شخص کو خواہ وہ نبی ہی کیوں نہ ہو، یہ حق نہیں کہ وہ لوگوں سے اپنی اطاعت کرائے، تو اس کا مطلب کیا ہے۔ اس کا مطلب وہی ہے جسے قرآنِ کریم نے ان چار لفظوں میں سمیٹ کر رکھ دیا ہے کہ

وَ مَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (53/3-4)

"یہ رسول اپنے خیالات و جذبات کی بات نہیں کرتا۔ یہ جو کچھ کہتا ہے وہ اس پر وحی کیا جاتا ہے۔"

لہٰذا اطاعت صرف وحیٔ خداوندی کی ہے کسی اور چیز کی نہیں۔ رسول اکرمؐ نے (جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا گیا ہے) خود فرمایا ہے کہ

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيَّ (6:50)

اور اِس ارشادِ خداوندی کے بعد تو کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ رسول کی اطاعت کے معنی کیا ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ط وَ اِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ط (5/67)

"اے رسول! جو کچھ آپ پر آپ کے ربّ کی طرف سے نازل ہوا ہے، اسے دوسرے انسانوں تک پہنچا دیجئے۔ اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اللہ کی رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔"

چلتے چلتے یہ کانٹا بھی نکال دیجئے کہ حضور نبیٔ اکرمؐ پر اللہ کی طرف سے نازل کیا ہوتا

تھا۔ ارشادِ خداوندی ہے

"اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ" (55/1-2) "الرحمان (اللہ) نے قرآن کی تعلیم دی" اور حضور نبیٔ اکرمؐ کی لسانِ مبارک سے یہ اقرار کہ

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ○ قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ..... (6/19)

"(اے رسول !) ان سے کہہ دیجئے کہ سب سے بڑی گواہی (شہادت) کس کی ہو سکتی ہے۔ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ شاہد ہے کہ مجھ پر یہ قرآن وحی کیا جاتا ہے تاکہ میں تمہیں بھی (غلط روش زندگی کے نتائج سے) آگاہ کروں اور انکو بھی، جن تک (بعد میں) یہ پہنچے۔"

شق نمبر2 :۔ پرویز صاحب پر یہ الزام بھی قطعاً بے بنیاد ہے کہ وہ حدیث کو نہیں مانتے۔ ان کی سیرتِ نبیٔ اکرمؐ پر مایہ ناز تصنیف "معراجِ انسانیت" میں متعدّد احادیث نقل کی گئیں ہیں جو اس بات کا ثبوت ہے کہ آپ احادیث سے انکار نہیں کرتے۔ پرویز صاحب جو کچھ کہتے ہیں وہ دراصل "مقامِ حدیث" سے متعلق ہے، یعنی دین میں سند اور حجت ہونے کے لحاظ سے حدیث کا مقام کیا ہے؟ وہ لکھتے ہیں کہ

"میرا انکارِ حدیث" اتنا ہی ہے جو میں کہتا ہوں کہ جو حدیث قرآنِ کریم کی تعلیم کے خلاف ہے، رسولؐ اللہ یا بزرگانِ دین کی طرف اُس کی نسبت غلط ہے۔ وہ کوئی ایسی بات کہہ نہیں سکتے تھے جو قرآن کے خلاف ہو ---------- جو احادیث قرآن کے خلاف نہیں، میں اُنہیں صحیح تسلیم کرتا ہوں۔" (شاہکارِ رسالت ایڈیشن 1994 صفحہ 497)

"میرے نزدیک دین میں سند اور حجّت، خدا کی کتاب (قرآنِ مجید) ہے۔ جو کچھ اسلام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، میں اِسے قرآنی معیار پر پرکھتا ہوں۔ جسے اپنی بصیرت کے مطابق قرآن کے مطابق پاتا ہوں، اُسے صحیح قرار دیتا ہوں۔ جو اِس کے خلاف نظر آئے، اُسے غلط سمجھتا ہوں۔ مجھے کسی کی دل آزاری مقصود نہیں۔ لیکن اگر کوئی اس بات سے ناراض ہوتا ہے کہ اس کے کسی عقیدہ یا نظریہ کو، جسے میں قرآن کے خلاف پاتا ہوں، غلط کیوں ٹھہرایا جاتا ہے، تو اس کے لئے میں معذور ہوں۔ قرآن کی رُو سے کتمانِ حقیقت جُرمِ عظیم ہے اور منافقت انتہائی دنائت"۔ (شاہکارِ رسالت باب گذرگاہِ خیال صفحہ 55)

پروفیسر حسنین کاظمی، ایم اے، اُستاد تاریخِ اسلام، نیشنل کالج کراچی نے اپنے کتابچہ "غلام احمد پرویز، بنیادی افکار و تصورات کا تعارف" میں جسے ادارہ نشانِ راہ، 240 گارڈن ایسٹ کراچی نے مئی 1960ء میں شائع کیا تھا، لکھتے ہیں:۔

"پرویز صاحب کو عام طور پر منکرِ حدیث کہا جاتا ہے۔ انہیں منکرِ حدیث کہنے والوں میں وہ بھی شامل ہیں جن کا عقیدہ ہے کہ حدیث قرآن کی آیت کو بھی منسوخ کر سکتی ہے۔ اور احادیث بھی وحی ہیں۔ وحی متلوُ اور غیر متلوُ کا فرق اِنہیں حضرات نے کیا ہے' اور وہ بھی شامل ہیں جو احادیث کو وحی نہیں بلکہ نبیؐ اکرمؐ کا کلام اور قرآنِ کریم کی تشریح سمجھتے ہیں۔ حدیث کو حجّت اور پرویز کو منکرِ حدیث قرار دینے والے یہ علماء آپس میں احادیث کے مرتبہ اور سنّت کی تعریف پر بھی متفق نہیں ہیں' بلکہ ایک دوسرے کو منکرِ حدیث بھی قرار دینے میں مضائقہ نہیں سمجھتے' مثلاً" مولانا محمد اسماعیل صاحب' مولانا مودودی کو منکرینِ حدیث میں شمار کرتے ہیں۔۔۔ اس کے علاوہ ان میں سے کچھ کے نزدیک بعض باتیں رسولِ اکرمؐ نے نبی کی حیثیت سے کیں اور کہیں اور بعض کو اس پر اصرار ہے کہ ہر بات اور ہر عمل آپؐ نے نبی کی حیثیت سے کیا۔

سب سے دلچسپ بات یہ ہے کہ حدیث کو حجّتِ دین قرار دینے کے باوجود احادیث کی صحت و عدم صحت کے بارے میں بھی یہ علماء متفق نہیں۔ مولانا اسماعیل صاحب کا عقیدہ ہے کہ "بخاری اور مسلم کی احادیث کی صحت پر اُمّت متفق ہے ..... ان احادیث کی صحت قطعی ہے"۔اور مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اس باب میں یہ فرماتے ہیں کہ "یہ دعوٰی کرنا صحیح نہیں کہ بخاری میں جتنی احادیث درج ہیں' ان کے مضامین کو بھی جُوں کا تُوں بلا تنقید قبول کر لینا چاہئے"۔ 1۔

حدیث کی صحت و عدم صحت کے باب میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے بتائے ہوئے کچھ اصول پہلے باب میں درج کئے گئے ہیں' وہ اصول بہرحال واضح ہیں' لیکن مودودی صاحب کا معیار "شاعرانہ" اور "صوفیانہ" ہے' یعنی احادیث کو بکثرت مطالعہ کرنے سے " انسان میں ایک ایسا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے ----- جس سے وہ رسول اللہ کا مزاج شناس ہو جاتا ہے۔" 1۔ اور یہ مزاج شناسؐ جوہری کی طرح حدیث کو پرکھ لیتا ہے۔ ذرا غور کیجئے کہ جس چیز کو دین میں حجت قرار دیا جاتا ہے' اس کی پرکھ کا یہ طریقہ ہے۔ پھر یہ کب ضروری ہے کہ دو مزاج شناس' ایک جیسے ہوں' اسکے علاوہ ۔

براہیمی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے
ہوس چھُپ چھُپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں

اپنے مفادات کے تحت یہ مزاج شناس بھی ان نامعقول جھوٹے اقوال کوذاتِ نبیؐ اکرمؐ سے وابستہ کر سکتا ہے' جنہیں اس ذاتِ اقدسؐ سے کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا اور جو اسلام کے دشمنوں نے گھڑے ہیں۔ 2۔

دوسری اہم بات یہ ہے کہ حجّت وہی چیز ہوسکتی ہے جو ہر شک و شُبہ سے بالاتر ہو اور یہ حیثیت صرف

1۔ رسالہ ترجمان القرآن - اکتوبر' نومبر 1952ء
2۔ تفہیمات حصہ اول۔ 2۔ صرف اہل زندقہ کی وضع کردہ حدیث کی تعداد تقریباً" چودہ ہزار ہے۔

قرآنِ کریم کو حاصل ہے' جسے نبی اکرمؐ مرتّب کر کے اُمّت کو دے گئے اور جس کی حفاظت کی ذمّہ داری خدا نے لی ہے۔ جہاں "اگر" اور "صحت و عدم صحت" کا سوال آ جائے وہ چیز حجت کیسے ہو سکتی ہے؟ --- سچ پوچھئے تو اس باب میں یہی دلیل کافی ہے اور زیادہ موشگافیوں کی ضرورت نہیں۔

پرویز صاحب کو "منکر حدیث" کہہ دینا آسان ہے۔ لیکن ان پر تہمت تراشنے والوں پر اس وقت کیا بیتے گی جب کبھی انہیں پوری طرح یہ اندازہ ہو سکے گا کہ اس باب میں پرویز کا مسلک وہی ہے جو صحابہ کرامؓ' اسلام کے ممتاز ترین علماء و فقہا اور محدثین کا رہا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے حدیثِ سماع موتیٰ کو ردّ فرما دیا کہ وہ قرآن کے مطابق نہیں۔ کیا خاکم بدہن کسی میں اتنی جرأت ہے کہ حضرت ام المومنینؓ کو منکرِ حدیث کہہ سکے؟ ------- حضرت ابوبکر صدیقؓ نے صحابہ کو روایت احادیث سے منع فرمایا۔ 1۔

قرآن کے مرتبہ اور احادیث کی دینی حیثیت کے بارے میں پرویز صاحب کے بنیادی خیالات درج ذیل ہیں۔

1- دین میں حجّت کا مرتبہ صرف قرآنِ کریم کو حاصل ہے۔ کیونکہ یہ لفظاً" وحیٔ الٰہی ہے اور اس میں ایک نقطہ کا ردوبدل نہ ہوا۔ نہ کبھی ہو سکے گا۔ (ویسے احادیث و روایات کے لحاظ سے قرآن میں کم از کم ایک آیت کم ہے۔ آیتِ رجم --- ملاحظہ ہو تفسیر ابن کثیر جلد سوم اردو ترجمہ مطبوعہ کراچی)۔

2- نبی اکرمؐ نے اپنے اقوال کو ہمیشہ وحیٔ الٰہی سے الگ رکھا اور ہمیشہ اس کی وضاحت کر دی۔ احادیث آپ کے اقوال تھیں' خدا کی وحی نہ تھیں۔

3- احادیث کے مجموعے تیسری صدی ہجری میں مرتّب کئے گئے۔ (حال ہی میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے صحیفہ ہمام ابن منبہ شائع کیا ہے۔ یہ مجموعۂ احادیث پہلی صدی ہجری کا ہے اور اس میں کل 128 احادیث ہیں۔ پہلی صدی ہجری کے مجموعے میں کل 138 احادیث اور بعد کے مجموعوں میں ہزاروں احادیث۔ ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے)۔

درمیان میں کتنے ہی راوی آ گئے ---- ان راویوں کی فہم و عقل' علم' حافظہ اور ذہانت میں بھی بدرجہا فرق تھا۔ اسی لیے روایت معناً" ہوتی تھی۔ لفظاً" نہیں ..... اور معنوں میں لفظوں کی تبدیلی سے جو فرق پیدا ہو جاتا ہے وہ ظاہر ہے۔ 2۔

4- خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ احادیث کو اگر دین میں حجّت سمجھتے تو حضرت عمرؓ' دورِ رسالت مآب کے کئی فیصلے تبدیل نہ کر دیتے۔

5- ہر وہ حدیث جو قرآن کے مطابق ہو' اسے پرویز صاحب تسلیم کرتے ہیں کیونکہ وہ (قرآنِ کریم) روشنی کا مینارہ اور نشانِ راہ ہے۔ پرویز صاحب نے اپنی ایک تقریر میں اس نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا تھا کہ :-

"جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے 23 سال' زمانے کے گلے میں

1۔ تذکرۃ الحفاظ اور تاریخ فقہ اسلامی

2۔ اس باب میں مودودی صاحب نے بخاری کی ایک حدیث پر تنقید کرتے ہوئے کتنی سچی بات کہی۔ "ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو نبیؐ کے بیان کو سمجھنے میں حضرت ابوہریرہؓ سے کوئی غلطی ہوئی ہے یا وہ پوری بات سن نہیں سکے ہوں گے ..... اس قسم کی غلط فہمی کی مثالیں متعدد روایات میں ملتی ہیں ..... زبانی روایات میں ایسا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہیں۔" (تسنیم - احادیث نمبر 14- اکتوبر 1959ء)

پڑی ہوئی مالا کے سب سے قیمتی موتی ہیں' اسی طرح آپ کی احادیث کی چمک آج بھی ہمیں اپنی طرف متوجّہ کر لیتی ہے۔ یہ وہ احادیث ہیں جو قرآن کے احکام کو ہم پر واضح کرتی ہیں۔ حضورؐ کا مقصد خدا کی وحی کو انسانوں تک پہنچانا' اس کی وضاحت کرنا اور اسے ایک نظام میں ڈھالنا تھا۔ نبی اکرمؐ سے بڑا امین تاریخ کی آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا۔ آپ نے اللہ کی امانت کو ہم تک پہنچایا۔ کسی تغیر و تبدل کے بغیر۔ حجتہ الوداع کا خطبہ اس کا شاہد ہے۔"

"معراجِ انسانیت" میں پرویز صاحب نے کتنی ہی احادیث پیش کی ہیں اور حجتہ الوداع کے خطبہ کو اس انداز سے دوہرایا گیا ہے کہ تیرہ سو برس سے بھی پہلے کا وہ منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ اس کے علاوہ طلوعِ اسلام کے سرورق پر بھی بارہا احادیث نبویؐ پیش کی گئی ہیں لیکن احادیث کا انتخاب پرویز صاحب "مزاج شناسیٔ" کے دعوٰی کی بناء پر نہیں کرتے بلکہ قرآن کی بنیادوں پر۔ یہ درست ہے کہ پرویز صاحب ایسی احادیث کو نہ صرف ردّ کرتے ہیں بلکہ ان کی اعلانیہ مخالفت کو ایمان کا جزو سمجھتے ہیں جن سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہوتی ہو اور اسلام کے خدّوخال مسخ ہوتے ہوں مثلاً"

"جابر بن عبداللہ اور سلمہ بن الاکوع کا بیان ہے کہ ہم ایک لشکر میں تھے کہ حضورؐ کا فرستادہ شخص ہمارے پاس آیا اور اس نے کہا کہ تمہیں اجازت دی گئی ہے کہ تم متعہ کرو۔ پس اب تم متعہ کر سکتے ہو۔" (صحیح بخاری مطبوعہ دہلی جلد 2 صفحہ 27)

6- پرویز صاحب احادیث کو دین میں حجّت تسلیم نہیں کرتے۔ کیونکہ اسلام ایک آفاقی نظام ہے ہر ملک اور ہر زمانے کے لیے ---- اسی لیے خدا نے محض اصول عطا کئے ہیں' جزئیات متعیّن نہیں کیں اور یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ سہو نہیں ہے ---- ان اصولوں کو آنحضرتؐ نے جزئیات کیساتھ ایک عملی نظام کی شکل دی ---- اس نظام کو خلفائے راشدینؓ نے آگے بڑھایا اور چونکہ اس قدر مختصر عرصے میں بھی بعض حالات بدل گئے تھے اس لئے خلفائے راشدینؓ نے جزئیات میں تبدیلیاں کیں۔

پرویز صاحب نے بار بار اس کو دہرایا ہے کہ اصول صرف قرآن سے لیے جائیں گے۔ اور جزئیات کے سلسلے میں پہلے عہدِ رسالت مآبؐ کے فیصلوں کا مطالعہ کرنا چاہئے ----- اگر ہمیں اپنے مسئلہ کا حل ان میں مل جائے تو وہ قبول کر لیا جائے۔ اسی طرح خلفائے راشدینؓ کے فیصلے سامنے رکھے جائیں۔ اوراگر ہمیں اپنے مسئلہ کا حل نہ ملے تو قرآنِ کریم کے اصولوں کے مطابق جزئیات کا تعیّن اسلامی مملکت ہی کریگی۔" (مذکورہ پمفلٹ صفحہ 11 تا 14)

"مقامِ حدیث" کے موضوع پر طلوعِ اسلام ٹرسٹ کی اسی نام سے شائع کردہ کتاب کا مطالعہ مزید مفید ہو گا۔

شق نمبر3:۔ نماز سے انکار کا بہتان بھی پرویز صاحب پر ایک بہتان ہے۔

پرویز صاحب خود بھی باقاعدگی سے نماز ادا کرتے تھے اور وابستگانِ طلوع اسلام کو بھی اس فریضہ کی ادائیگی

کے لئے تائید کرتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں۔

میں نماز کس طرح پڑھتا ہوں: اب آپ کے سوال کا دوسرا حصہ سامنے آتا ہے کہ میں نماز کس طرح پڑھتا ہوں۔ آپ کو اس سوال کے پوچھنے میں کسی معذرت طلبی کی ضرورت نہ تھی۔ اگر آپ میرے پاس ہوتے تو از خود دیکھ لیتے کہ میں نماز کس طرح پڑھتا ہوں' جس طرح جمہور مسلمان (فقہ حنفی کے مطابق) نماز پڑھتے ہیں۔ اس فرق کے ساتھ کہ اگر کہیں فقہ حنفی کے علاوہ دیگر طریقے پر بھی نماز ہو رہی ہو اور مجھے وہ طریق آتا ہو ہو) تو ان کے ساتھ شامل ہو جانے میں بھی توقف نہیں کرتا۔ (قرآنی فیصلے حصہ اول طبع 1992ء صفحہ 1953ء)

لفظ نماز کے متعلق انہوں نے جو کچھ لکھا ہے' وہ حقیقت پر مبنی ہے' وہ رقم طراز ہیں:-

نماز' فارسی (بلکہ پہلوی) زبان کا لفظ ہے جو اہلِ ایران کے قدیم طریقِ پرستش کے لئے استعمال ہوتا تھا' بعد میں یہ لفظ اجتماعاتِ صلوٰۃ کے لئے استعمال کر لیا گیا اور اب ہمارے ہاں یہی لفظ مروّج ہے۔ (میں سمجھتا ہوں کہ جو اصطلاحات قرآن کریم نے مقرر کی ہیں انہیں اُسی طرح استعمال کرنا زیادہ اچھا ہے) قرآنِ کریم میں صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے جو معنوی اعتبار سے بڑا جامع ہے۔ اس کے بنیادی معنی کسی کا اتباع یا اطاعت و محکومیت اختیار کرنا ہیں۔ قرآنِ کریم نے اس لفظ کو نماز کے اجتماعات کے لئے بھی استعمال کیا ہے۔ لہٰذا جب ہم نماز کا لفظ بولیں گے تو اس کا مطلب' صرف نماز ہو گا۔ لیکن جب صلوٰۃ کا لفظ استعمال کریں گے تو اس میں نماز بھی آ جائے گی اور اس کے علاوہ اور مفہوم بھی۔ میں نے اکثر مقامات پر اس کی صراحت کر دی ہے کہ صلوٰۃ کا لفظ نماز کے اجتماعات کے لئے بھی قرآنِ کریم میں آیا ہے۔ مثلاً لغات القرآن میں لفظ صلوٰۃ (مادہ ص ۔ ل ۔ و) کے تحت آپ کو یہ عبارت ملے گی:-

> "صلوٰۃ کے جو مختلف مفاہیم اُوپر بیان ہوئے اُن سے ظاہر ہے کہ ایک عبدِ مومن زندگی کے جس گوشے میں بھی قوانینِ خداوندی کے مطابق اپنے فرائض منصبی ادا کرتا ہے' وہ فریضۂ صلوٰۃ ہی کو ادا کر رہا ہوتا ہے۔ اس کے لئے وقت یا شکل کا تعین ضروری نہیں' لیکن قرآنِ کریم میں بعض مقامات ایسے بھی ہیں جہاں صلوٰۃ کا لفظ ایک خاص قسم کے عمل کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔"

صلوٰۃ: اس کے بعد قرآنِ کریم کی وہ آیات دی گئی ہیں۔ جن میں صلوٰۃ کا لفظ نماز کے لئے آیا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے:

"تصریحات بالا سے واضح ہے کہ قرآنِ کریم میں صلوٰۃ کا لفظ اُن اجتماعات کے لئے بھی آیا ہے جنہیں عام طور پر نماز کے اجتماعات کہا جاتا ہے"۔ (ایضاً" صفحہ 6)

اس موضوع پر پرویزؒ صاحب کا اقتباس پورا یوں ہے:۔

"اگر آپ میری تحریروں کا مسلسل اور بالا ستیعاب مطالعہ کرتے چلے آ رہے ہیں تو آپ پر یہ حقیقت واضح ہو گئی ہو گی کہ جہاں تک میں قرآن کو سمجھ سکا ہوں' قیامِ صلوٰۃ قرآن کی ایک نہایت جامع اور بلیغ اصطلاح ہے' جس سے درحقیقت مقصود اس معاشرے کا قیام ہے' جس میں قانونِ خداوندی عملاً" نافذ ہوں اور اس طرح ہر فردِ معاشرہ کی مضمر صلاحیتوں کی پوری کی پوری نشوونما ہوتی جائے۔ تاکہ وہ اس زندگی اور اس کے بعد کی زندگی کی سرفرازیوں سے بہرہ یاب ہوتا ہوُا اپنے ارتقائی منازل طے کرتا چلا جائے۔ لہٰذا نظام الصلوۃ ایک مردِ مومن (یا جماعتِ مومنین) کی پوری پوری زندگی کو محیط ہو گا۔ ان کا ایک ایک سانس اس حقیقت کبریٰ پر شاہد ہو گا کہ وہ مُصلّی (یعنی خدا کے پیچھے پیچھے جانے والے کارواں کے افراد) ہیں۔ ان کی زندگی کا ایک ایک گوشہ اور ایک ایک شعبۂ عبادت (یعنی قانونِ خداوندی کی محکومیت) کا مظہر ہو گا۔ ان کے کاروبارِ حیات کا فلم سامنے آ جائے تو وہ منشائے خداوندی کی جیتی جاگتی تصویر دکھائی دے گا۔ اس اجتماعی نظام سے وابستگی کی بناء پر ان کی حیاتِ ارضی' از ابتدا تا انتہا' 'الاسلام' کی جامع تفسیر ہو گی۔ (وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔) اس نظام کے اجزاء یہ ہیں:۔

(1) قرآن۔ یعنی ضابطۂ آئینِ اسلام۔

(2) مرکز۔ یعنی ضابطۂ خداوندی کی قوتِ نافذہ۔ اور

(3) جماعت۔ افرادِ معاشرہ جن سے یہ نظام متشکل ہو گا۔

اور اس کی عملی تشکیل کے اصول و مبانی یہ ہیں:۔

(الف) افرادِ معاشرہ میں کامل ائتلاف یعنی یک دلی ویک نگھی ویک قدمی اور

(ب) مرکز کی اطاعت

ہمہ وقتی پروگرام:۔ جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے ' یہ نظام جماعتِ مومنین کی پوری کی پوری زندگی پر چھایا ہوتا ہے اور دن اور رات میں ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہوتا جس میں وہ اس کے احاطے سے باہر ہوں۔ یہ ان کی "حیاتِ انسانی" کے لئے وہی حیثیت رکھتا ہے جو ان کی "حیاتِ طبعی" کے لئے ہوا کی حیثیت ہے۔ ہوا پر انسانی زندگی کا دارومدار ہے اور کوئی انسان ایسا نہیں جو اس کی ضرورت اور اہمیت کا معترف نہ ہو۔ لیکن بایں ہمہ ڈاکٹروں کو اکثر و بیشتر یہ فقرہ دُہرانا پڑتا ہے کہ صحت اور زندگی کے لئے کھلی اور تازہ ہوا کی اشد

ضرورت ہے۔ دُہرانا اس لئے پڑتا ہے کہ اس کی یاد دہانی (ذکر) سے اس کی اہمیت اُبھر کر سامنے آ جاتی ہے۔ آئینِ خداوندی نے بھی اس کا انتظام کر رکھا ہے کہ اس نظام کی یاد دہانی کرائی جائے تاکہ اس کے اصول و مبانی اُجاگر ہوتے جائیں اور اس کی اہمیت نگاہوں سے اوجھل نہ ہونے پائے۔ اس یاد دہانی کا نام صلوٰۃ کا فریضۂ موقّت ہے یعنی خاص اوقات کا اجتماعِ صلوٰۃ۔

دین کے نظام (اسلامی معاشرہ) کا بنیادی اصول یہ ہے کہ فوزوفلاح کی زندگی انفرادی نہیں' اجتماعی ہے۔ اجتماعی صلوٰۃ کی ابتدا اسی اصول سے ہوتی ہے یعنی ایک آواز پر بکھرے ہوئے افراد کاایک مقام پر جمع ہو جانا۔

دین کے نظام میں اگلا قدم اطاعتِ مرکز ہے' اجتماعی صلوٰۃ میں اس کا مظاہرہ عملی شکل میں سامنے آ جاتا ہے جب یہ اجتماع اپنے میں سے سب سے بہتر فرد کو بہ حیثیت امام چُن لیتا ہے (اور بہتر ہونے کا معیار یہ ہوتا ہے کہ کس کی زندگی سب سے زیادہ قانونِ خداوندی سے ہم آہنگ ہے) یہی امام اس اجتماع کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس ایک کی آواز پر سب کو اُٹھنا ہوتا ہے اور اسی کی آواز پر جھکنا۔ اور یہ جھکنا اور اُٹھنا ایک ساتھ ہوتا ہے جو شہادت دیتا ہے اس حقیقت کبریٰ کی کہ اس جماعت کے افراد میں کامل ہم آہنگیٔ فکر و عمل ہے اس سے معاشرے کی ناہمواریاں مٹتی ہیں۔

امام :۔ "امام" اس تاگے کو کہتے ہیں جس سے معمار یہ دیکھا کرتا ہے کہ دیوار بالکل سیدھی اُٹھ رہی ہے۔ اس کی اینٹیں آگے پیچھے تو نہیں ہیں۔)

دین کے نظام کا اگلا اصول یہ ہے کہ نظام عالمگیر حیثیت رکھتا ہے اور اس کا مرکزِ محسوس بیت اللہ ہے۔ لہٰذا اجتماع صلوٰۃ میں اس حقیقت کی یاد دہانی کے لئے جماعت کا رخ قبلے کی طرف رکھا جاتا ہے یعنی ساری دنیا کے مسلمانوں کا مطمع نگاہ اور نصب العین ایک ہو گا۔" (ایضاً" صفحہ 15-14)

نماز' روزہ ' حج اور زکوۃ سے متعلق بھی غلط بیانی سے کام لیا جاتا ہے' پوری بات یوں ہے :

ملّی شعار :۔ لیکن اس کے ساتھ ہی طلوعِ اسلام ایک اور بات بھی کہتا ہے۔ جو کچھ ہمارے ہاں مذہب کے نام پر ہو رہا ہے اس نے اپنی دینی حیثیت تو کھو دی ہے لیکن وہ ہمارا ملّی شعار سا بن چکا ہے۔ مثلاً سب سے پہلے اس کلمہ کو لیجئے جو دین کی بنیاد ہے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** "دین کی رُو سے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ میں اس حقیقت کبریٰ کا

اعلان کرتا ہوں کہ کائنات میں خدا کے قانون و اقتدار کے علاوہ اور کسی کا قانون و اقتدار کارفرما نہیں۔ اس لئے میری زندگی بھی اسی قانون کے تابع رہے گی۔ میں اس کے سوا کسی اور قانون اور اقتدار کو تسلیم نہیں کروں گا اور یہ قانون ہمیں رسالتِ محمدیہؐ کی وساطت سے ملا ہے، جو قرآن کے اندر محفوظ ہے۔" یہ ہے کلمہ کا مفہوم دین کی رُو سے۔ یہ ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں یہ کلمہ اپنا دینی مفہوم کھو چکا ہے لیکن یہ ہمارا اس قسم کا ملّی شعار بن چکا ہے کہ جو شخص اس کلمہ کا اقرار کرتا ہے اسے ہم مسلمانوں کے گروہ کا ایک فرد سمجھتے ہیں اور جو اس سے انکار کرتا ہے اسے ہم اس گروہ سے باہر قرار دیتے ہیں۔ اسی کلمہ کا اشتراک ہے کہ (اگرچہ غیر قرآنی تصوّرِ حیات کے ماتحت دنیا کے مسلمان قوموں، نسلوں، جغرافیائی حد بندیوں اور سیاسی تقسیموں کے مطابق الگ الگ ٹکڑیوں میں بٹ چکے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ) دنیا کے مختلف حصوں میں بسنے والے مسلمان اپنے اندر ایک غیر مرئی سی وحدت محسوس کرتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ کلمہ ہمارا ملّی شعار بن چکا ہے۔ یہی حیثیت دینی ارکان مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کی ہے۔ یہ سب اپنی دینی معنویت سے محروم ہو چکے ہیں لیکن یہ ہمارے ملّی شعار بن گئے ہیں۔ چونکہ ملّی شعائر بھی ایک حد تک افراد میں احساسِ یگانگت کے زندہ رکھنے کا موجب ہوتے ہیں، اس لئے طلوعِ اسلام کے نزدیک یہ ضروری ہے کہ (اس دوران میں جب ہم صحیح قرآنی معاشرہ کی تشکیل کے لئے جدوجہد کریں) یہ ملّی شعائر اسی طرح آگے منتقل ہوتے رہیں۔ (بجز اُن کے جو قرآن کے خلاف ہوں) اس سے (جیسا کہ اُوپر لکھا جا چکا ہے) مختلف افراد میں کچھ نہ کچھ احساسِ یگانگت تو باقی رہے گا۔ اگر ہم قرآنی معاشرہ کی تشکیل میں کامیاب ہو گئے تو یہی ملّی شعائر، دینی ارکان بن جائیں گے اور ان سے وُہی نتائج مرتب ہونے لگ جائیں گے، جن کی وضاحت قرآن نے کی ہے۔ یہ ہے وہ مقصد جس کے پیشِ نظر طلوعِ اسلام ان شعائر کو باقی رکھنے کے حق میں ہے اور انہیں مٹانے اور ان میں ردّوبدل کر کے قوم میں تشتّت و انتشار پیدا کرنے کو سختی سے روکتا ہے۔ ہم سے پہلے جن حضرات نے قرآن کی طرف دعوت دینے کی جدّوجہد کی (خدا انہیں ان کی نیک نیتوں اور حسنِ مساعی کا اجر دے) ایسا نظر آتا ہے کہ ان کے پیشِ نظر قرآنی معاشرہ کی تشکیل نہیں تھی، وہ صرف موجودہ (غیر قرآنی) فقہ کو قرآنی فقہ سے بدلنا چاہتے تھے۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ ہوا (جیسا کہ ہونا چاہئے تھا) کہ معاشرہ میں کوئی تبدیلی تو واقع ہوئی نہ، اور قوم میں مزید تفرقہ پڑ گیا۔ طلوعِ اسلام کے پیشِ نظر قرآنی معاشرہ کی تشکیل ہے۔ اگر قرآنی معاشرہ قائم ہو گیا تو وہ اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق فقہی جزئیات میں خود بخود ضروری تبدیلیاں کر لے گا۔

نمبر4 کے متعلق حقیقت حال یہ ہے:۔ لفظ زکوٰۃ کا مادہ (ز - ک - و) ہے جس کے معنی ہیں بڑھنا۔ پھلنا۔ پھلنا۔ نشوونما پانا۔ زکوٰۃ کے معنی ہیں، نشوونما - بالیدگی - پھولنا - پھلنا - بڑھنا - قرآن کریم میں اقاموا الصلوٰۃ اور اتوا الزکوٰۃ کے الفاظ بار بار آئے ہیں اور بڑی تاکید کے ساتھ آئے ہیں۔ اتوا الزکوٰۃ کے معنی ہوئے۔ "زکوٰۃ دو"۔ لفظ زکوٰۃ کے جو معنی اُوپر دیئے گئے ہیں ان کی روشنی میں سوچئے کہ "زکوٰۃ دینے" سے مراد کیا ہو گی۔ یہی کہ دوسروں کی نشوونما اور بالیدگی کا سامان بہم پہنچاؤ۔ یعنی جماعتِ مومنین کا بنیادی فریضہ یہ ہے کہ نوعِ انسانی کی نشوونما اور بالیدگی کا سامان بہم پہنچائے۔ وہ ایسا انتظام کرے جس سے افرادِ نسلِ انسانی کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی چلی جائے۔ اس میں ان کی طبعی زندگی کی صلاحیتوں کی نشوونما بھی شامل ہے۔ اور انسانی زندگی کی نشوونما بھی۔ یعنی انسانی جسم کی پرورش بھی اور انسانی ذات کی بالیدگی اور ارتقاء بھی۔ جماعتِ مومنین کی طرف سے یہ فریضہ اُن کا نظامِ حکومت ادا کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم میں آیا ہے کہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ (22/41) "یعنی یہ وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ملک میں تمکن حاصل ہو گا تو یہ نظامِ صلوٰۃ قائم کریں گے اور ایتائے زکوٰۃ کا انتظام کریں گے۔ آپ نے غور کیا کہ کہ قرآن نے ایتائے زکوٰۃ کو حکومتِ اسلامی کا فریضہ قرار دیا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ زکوٰۃ، خیرات کا نام نہیں۔ خیرات ہم انفرادی طور پر ہر حالت میں دے سکتے ہیں۔ اس کے لئے اپنی حکومت کی شرط نہیں۔ ہم انگریزوں کی حکومت کے زمانے میں بھی خیرات دیتے تھے۔ اب ہندوستان کے مسلمان، ہندوؤں کی حکومت میں بھی خیرات دے سکتے ہیں اور دیتے ہیں۔ ایتائے زکوٰۃ کے لئے اپنی حکومت کی شرط زکوٰۃ کی حقیقت کو واضح کر دیتی ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اسلامی حکومت اپنے اس عظیم فریضہ (یعنی نوعِ انسانی کو سامان نشوونما بہم پہنچانے کے فریضہ) کو سرانجام کس طرح سے دے گی؟ اس کے لئے ظاہر ہے کہ سب سے پہلے ذرائع پیداوار حکومت کی تحویل میں رہنے چاہئیں تاکہ وہ اس پیداوار (رزق) کو ضرورت مندوں کی نشوونما کے لئے صرف میں لائے۔ دوسرے یہ کہ افرادِ معاشرہ جس قدر کمائیں وہ اس طرح کھُلا رکھیں کہ (اُن کی ضروریات پوری ہونے کے بعد) مملکت اس میں سے جس قدر ضرورت سمجھے، ایتائے زکوٰۃ (دوسروں کی نشوونما) کے لئے لے لے۔ اس مقصد کے لئے قرآنِ کریم نے نہ کوئی شرح مقرر کی ہے نہ نصاب۔ اس میں سوال ضرورت پوری کرنے کا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے یہاں تک کہہ دیا ہے کہ افراد کی اپنی ضروریات پوری ہونے کے بعد جس قدر فاضل ہو وہ سب کا سب مملکت کی تحویل میں جا سکتا ہے تاکہ وہ اس سے دوسروں کی نشوونما "زکوٰۃ" کا انتظام کرے۔ (دیکھئے - 219:2)

لیکن ظاہر ہے کہ اس قسم کا نظامِ مملکت بتدریج قائم ہو گا۔ جس عرصہ میں ایسا نظام ہنوز زیرِ تشکیل ہو، اس میں جماعتِ مومنین سے (آج کی اصطلاح میں) چندے اور عطیے لئے جائیں گے۔ اس کے لئے قرآن نے "صدقات" کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

یہ تھا زکوٰۃ سے مفہوم اسلامی نظامِ حکومت میں۔ لیکن جب وہ نظام باقی نہ رہا' دین اور سیاست میں جدائیگی پیدا ہو گئی' زکوٰۃ کا قرآنی مفہوم (یعنی نوعِ انسانی کو سامان نشوونما دینا) نگاہوں سے اوجھل ہوگیا ------ حکومت نے اپنے ٹیکس وصول کرنے شروع کر دئے اور مذہبی پیشوائیت "زکوٰۃ" کے نام سے اپنا ٹیکس وصول کرنے لگ گئی۔ باقی رہے غریب اور محتاج' سو اُن کے لئے امیر آدمیوں کو خیرات کی تلقین ہونے لگی۔ چنانچہ یہی سلسلہ اب تک جاری ہے۔ لوگ حکومت کے ٹیکس الگ دیتے ہیں۔ سالانہ زکوٰۃ الگ۔ اور خیرات ان دونوں سے الگ۔ حتّٰی کہ قرآنِ کریم نے جو باتیں "صدقات" کے متعلق کہی تھیں' وہ زکوٰۃ کے متعلق سمجھ لی گئی ہیں۔ مثلاً" عام طور پر کہا جاتا ہے کہ قرآنِ کریم نے زکوٰۃ کے آٹھ مصارف بیان کئے ہیں۔ حالانکہ وہ مصارف "صدقات" کے ہیں، زکوٰۃ کے نہیں۔ (2/6)

تصریحاتِ بالا سے یہ حقیقت واضح ہو گئی ہوگی کہ اس وقت یا تو حکومت کے ٹیکس ہیں اور یا خیرات۔ خواہ اسے متعیّن طور پر زکوٰۃ کا نام دے دیا جائے یا غیر متعیّن طور پر صدقہ اور خیرات۔ زکوٰۃ (یعنی افرادِ معاشرہ کو سامانِ نشوونما بہم پہنچانا) نہ حکومت کا فریضہ سمجھا جاتا ہے نہ عوام کا۔ اسلامی نظامِ حکومت میں "زکوٰۃ دینا" حکومت کا فریضہ ہو گا اور اس مقصد کے لئے افرادِ جماعتِ مومنین اپنی ضروریات سے زاید سب کا سب دوسروں کے لئے کھلا رکھیں گے کہ اس میں سے جس قدر ضروری ہو اس مقصد کے لئے صرف کردیا جائے۔ اس وقت انفرادی خیرات کی ضرورت نہیں رہے گی۔ خیرات لینے والے کا شرفِ انسانیت کچلا جاتا ہے لیکن جب ایتائے زکوٰۃ اسلامی نظام کا فریضہ قرار پاتا ہے تو ہر شخص اسے بطور اپنے حق کے لیتا ہے اور کسی کا کسی پر احسان نہیں ہوتا۔ قرآن' خیرات کو عبوری دور کی ضروریات کے لئے ہنگامی اور وقتی علاج بتاتا ہے اور زکوٰۃ کو اسلامی نظام کا بنیادی فریضہ اور لازمی شعار۔ یہ ہے زکوٰۃ کی حقیقت ازروئے قرآن۔ (ایضاً" صفحہ 144-116)

شق نمبر 5 :- حج کے موضوع پر پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ:

حج سے مفہوم :- حج سے مفہوم یہ ہے کہ تمام دنیا کے انسان بلاتفریقِ رنگ و نسل اور بلا امتیازِ وطن و زبان' جو اس نصب العین پر ایمان رکھتے ہوں کہ دنیا میں کسی انسان کو دوسرے انسان پر حکومت کرنے کا حق نہیں' محکومیت صرف خدا کے قانون کی جائز ہے' اپنے اپنے ملکوں سے اپنے نمائندے چنیں۔ یہ نمائندے اپنے میں سے ایک منتخب کردہ امیر کی زیرِ قیادت' مرکزِ وحدتِ انسانیت یعنی کعبۃ اللہ کی طرف روانہ ہوں۔ عرفات کے میدان میں ان تمام نمائندگان کا باہمی تعارف ہو۔ پھر یہ تمام امرائے ملّت اپنے میں سے ایک امیر الامرا کا انتخاب کر لیں اور مختلف ممالک کے احوال و ظروف کو سامنے رکھ کر باہمی مشاورت سے ایک ایسا پروگرام مرتّب کر لیں جو آئندہ سال کے لئے اصولی طور پر بطور مشترکہ پالیسی اختیار کیا جائے اور جو امن و سلامتیٔ انسانیت کا ضامن اور فلاح و سعادتِ آدمیت کا کفیل

ہو۔ ان کا منتخب کردہ امام اپنے خطبۂ حج میں اس پروگرام کا اعلان کر دے جو دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ جائے۔ اس کے بعد یہ تمام نمائندگان' مقامِ منیٰ میں جمع ہو کر اس اصولی پروگرام کی تفصیلات و جزئیات پر غور کریں اور یہ سوچیں کہ ایک دوسرے ملک پر اس کا عملی اثر اور ردِّ عمل کیا ہو گا۔ وہاں باہمی مذاکرات بھی ہوں اور دعوتیں اور ضیافتیں بھی' جس کے لئے قربانی تجویز کی گئی ہے۔ اسکے بعد یہ نمائندگان اپنے اپنے ملکوں میں واپس آ جائیں اور اس طے شدہ پروگرام کے مطابق اپنے اپنے لوگوں کو چلائیں۔ یہ ہے وہ عملی طریقہ' جو قرآنِ کریم نے تمام نوعِ انسانی کو' ایک اُمّتِ واحدہ بنانے اور ان کے تمدّنی مسائل کا حل تجویز کرنے کے لئے بتایا ہے۔ قرآنِ کریم نے حج کے اس مقصد اور غایت کو دو مقامات پر دو دو الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ آپ ان مختصر ٹکڑوں کی جامعیت پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ کسی اجتماع کی غایت اس سے بلند' اور کوئی اندازِ بیان اس سے بلیغ بھی ہو سکتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے کہ حج کے اجتماع سے مقصود یہ ہے لِيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ "22:28" تاکہ لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں کہ اس میں ان کے لئے کس قدر فائدے ہیں اور اس کی غایت کیا؟ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ "5:97" "یعنی اس سے دنیا میں انسانیت قائم رہے۔

قیامِ انسانیت:۔ غور کیجئے کہ کیا دنیا میں کسی کانفرنس' کسی اسمبلی' کسی پارلیمنٹ' کسی اجتماع کا مقصد اس سے بلند ہو سکتا ہے کہ وہ دنیا میں شرفِ انسانیت کے قیام کا باعث ہو۔ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ کسی خاص قوم' خاص ملک' خاص ملّت کے قیام کا باعث نہیں بلکہ تمام نوعِ انسانی کے قیام کا باعث' یہ ہے حج کے اجتماع کا مقصد۔ یعنی قِيٰمًا لِّلنَّاسِ۔

حج کے متعلق میری متعدّد شائع شدہ تحریریں موجود ہیں جن سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ میرے نزدیک اس عظیم اجتماع کی اہمیت کس قدر ہے۔ میں صلوٰۃ کے مقامی اجتماعات اور حج کے عالمگیر اجتماع کو اسلامی نظامِ زندگی کی بنیادیں قرار دیتا ہوں اور اسی لئے اس پر زور دیتا ہوں کہ ان اجتماعات کو رسمی طور پر منعقد نہ کیا جائے بلکہ اس مقصد کو پیشِ نظر رکھا جائے جس کے لئے یہ اجتماعات مقرر کئے گئے ہیں مثلاً" میری ایک ریڈیائی تقریر (مطبوعہ فردوسِ گم گشتہ) کے آخیر میں آپ یہ لکھا ہوا پائیں گے :-

جمعیت آدم:۔ حج سے مقصود اسی جمعیتِ آدم کی تشکیل تھا۔ اس حج سے جو آج چند رسوم کا بے جان اور بے مقصد مجموعہ بن کر رہ گیا ہے۔ لیکن اس آئینِ کہن میں آج بھی وہی رُوح پیدا کی جا سکتی ہے جو انسانیت کے شرف کی کفیل ہے۔ آج عالمِ اسلامی چاروں طرف سے مصائب و نوازل سے گھرا ہوا ہے۔ غیر خدائی قوتیں ان کے خلاف متحدہ محاذ قائم کئے ہوئے ہیں۔ کہ دنیا کے نقشے پر کہیں ان کا نشان نہ رہنے پائے۔ مسلم اقوام کے نمائندے مختلف مقامات پر کانفرنسیں مقرر کر رہے ہیں کہ باہمی اتحاد سے ان مخالف قوتوں کا مقابلہ کیا جائے۔ تمام اسلامی ممالک میں اخوت اور روابط کی تحریکیں چلائی جا رہی ہیں۔ باہمی میل ملاپ کے سلیقے ڈھونڈے جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ لیکن کسی کی نگاہ اس طریقِ ربط و اخوّت کی

طرف نہیں اٹھتی جسے ہمارے خدا نے ہمارے لئے متعین کیا تھا' جس سے ہمارے دلوں میں اختلاف اور نگاہوں میں یک رنگی پیدا ہو جاتی تھی۔ ہم اسے بے کیف رسم بنائے ہوئے ہیں اور اس میں روح پھونکنے کی کوئی تجویز نہیں سوچتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک ہم دیگر اقوامِ عالم کی تقلید میں کانفرنسیں طلب کرتے رہیں گے' ہماری کامیابیاں انہی کے پیمانوں سے ماپی جائیں گی۔ لیکن جس وقت ہم نے اپنے اللہ سے بُھلایا ہوا عہد استوار کر لیا اور پھر اسی مرکز کو زندہ کر دیا جس کی زندگی سے تمام نوعِ انسانی کی زندگی وابستہ ہے' اقوامِ عالم کی امامت ہمارے حصہ میں آ جائے گی۔ ہماری زندگی کے چشمے کی سوتیں عرفات کے منبر سے پھوٹیں گی اور اسی سے ہماری کشتِ حیات سرسبز و شاداب ہو گی۔ آج مسلمانانِ عالم کو حج کا فریضہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اس سے مقصود یہ ہے کہ:-

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

میں قوم کے نوجوانوں کو تلقین اور تاکید کرتا رہتا ہوں کہ اگرچہ ان اجتماعات میں اس وقت ان کی حقیقی رُوح نہیں لیکن اس کے باوجود ان کا قائم رکھنا نہایت ضروری ہے۔ اس لئے کہ:

اگر کبھی ہماری قسمت نے پلٹا کھایا اور ہم میں اس انقلاب کا احساس پیدا ہوا' جو قرآن پیدا کرنا چاہتا ہے تو انہی بے جان پیکروں میں پھر سے رُوح آ جائے گی اور یہ مناسک و شعائر جس نظام کی یادگار ہیں' اس کے از سرِ نو قیام میں آسانی پیدا ہو جائے گی۔ (سلیم کے نام خطوط' حصہ اول صفحہ 26) (ایضاً" صفحہ 70-69)

قربانی کے متعلق پرویز صاحب لکھتے ہیں۔

ہمارے سامنے جب یہ سوال آتا ہے کہ فلاں معاملہ کی دینی حیثیت کیا ہے تو ہم یہ نہیں دیکھتے کہ اس سے ذہنوں میں کس طرح کشمکش پیدا ہو رہی ہے' اور ہمارے اقتصادی یا معاشرتی حالات پر اس سے کیا اثر پڑ رہا ہے۔ ہم صرف یہ دیکھتے ہیں کہ اس باب میں خدا کا حکم کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ جب قرآن کا صحیح فیصلہ سامنے آ جائے اس سے وہ تمام ذہنی کشمکش دُور ہو جاتی ہے جو انسانوں کے بنائے ہوئے مذہب سے ہر قلبِ سلیم میں پیدا ہوتی ہے اور اس فیصلہ سے ہمارے اقتصادی اور معاشرتی مسائل بھی خود بخود اعتدال پر آ جاتے ہیں کہ اگر قرآن یہ کچھ نہ کرے' تو وہ دینِ حقّہ کیسے ہو سکتا ہے۔ لہٰذا قربانی کے سلسلہ میں ہمیں یہ دیکھنا ہو گا کہ اس باب میں خدا کا حکم کیا ہے۔

پہلے یہ متعین کر لیجئے کہ مسئلہ زیرِ غور کیا ہے۔ اس وقت صورت یہ ہے کہ:

1- حج کے موقعہ پر حاجی مکہ معظمہ میں جانور ذبح کرتے ہیں' جسے قربانی کہا جاتا ہے۔
2- ایک ایک حاجی متعدد جانور ذبح کرتا ہے' ان جانوروں کو گڑھے کھود کھود کر دبانا پڑتا ہے۔
3- عید کے موقعہ پر تمام دنیا کے مسلمان اپنی اپنی جگہ پر جانور ذبح کرتے ہیں' اسے بھی قربانی کہا جاتا ہے۔

سوال یہ ہے کہ ان میں سے کسی بات کا حکم قرآن سے بھی ملتا ہے یا یہ چیزیں یونہی رسماً" چلی آ رہی

ہیں؟

سوال آپ کے سامنے آ چکا۔ اب دیکھئے کہ اس باب میں قرآن کیا کہتا ہے۔ سب سے پہلے یہ سمجھ لیجئے کہ قرآن نے ان جانوروں کے ذبح کرنے کے لئے کہیں "قربانی" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ نہ ہی اس نے اسے خاص طور پر قربِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ یہ تصور کہ جانوروں کے خون بہانے سے خدا خوش ہو جاتا ہے۔ اس لئے قربانی وجہ تقربِ خداوندی ہوتی ہے' غیر قرآنی تصور ہے۔

قرآن جس تمدنی نظام (SOCIAL ORDER) کی تشکیل چاہتا ہے اس کا نقطۂ آغاز الصلوۃ ہے اور منتہیٰ حج۔ یعنی ملّت کی محدود وحدتوں (UNITS) کی صحیح تعمیر سے شروع کر کے پوری کی پوری ملت کو ایک مرکزِ وحدانیت پر جمع کرنا' انہیں قوانینِ خداوندی کے مطابق چلانا اور اس کے بعد اس ضابطۂ حیات کو ساری دنیا میں نافذ کرنے کا ذریعہ بنانا۔ حج ملّت کے اس عظیم القدر اجتماع کا نام ہے جس میں قرآنی نظامِ حیات کے پروگرام پر غور و خوض کر کے اسے نافذ العمل بنانے کی تراکیب کو سوچا جاتا ہے۔ اس اجتماع کا مرکز "بیت الحرام" (خانہ کعبہ) ہے جو ملّتِ اسلامیہ کا مرکزِ محسوس ہے۔ اس عظیم الشان اجتماع کو کامیاب بنانے میں ہر کوشش مبارک اور ہر اقدام مسعود ہے۔ قرآنِ کریم میں جانوروں کے ذبح کرنے کا ذکر اسی اجتماع کے سلسلہ میں آیا ہے اور وہ آیات حسب ذیل ہیں (ان آیات پر الگ الگ نمبر بھی دیئے گئے ہیں تاکہ حوالہ میں سہولت ہو' نیز ان کا ترجمہ مروجہ ترجموں کے مطابق ہی کر دیا گیا ہے تاکہ یہ اعتراض نہ پیدا کر دیا جائے کہ ہم نے (خدا نکردہ) اپنے مطلب کے مطابق معانی پیدا کرنے کے لئے ترجمہ کچھ کا کچھ کر دیا ہے۔ سورہ الحج میں ہے:

1- وَأَذِّن فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَأْتُوكَ رِجَالًا وَعَلَىٰ كُلِّ ضَامِرٍ يَأْتِينَ مِن كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ ○ لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔ (22/28-27)

"اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو۔ لوگ تمہارے پاس چلے آئیں گے پیادہ بھی اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو کہ دور دراز راستوں سے پہنچتی ہوں گی تاکہ لوگ اپنے فوائد کے لئے آ موجود ہوں اور تاکہ ایام مقررہ میں ان چوپاؤں پر (ذبح کے وقت) اللہ کا نام لیں جو اللہ نے انہیں عطا کئے ہیں۔ سو جانوروں میں سے خود بھی کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ۔"

ان جانوروں کے متعلق آگے چل کر یوں ارشاد ہے۔

2- لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَا إِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ۔ (22/32)

"ان جانوروں میں تمہارے لئے ایک مدت معینہ تک فائدہ اٹھانا ہے اس کے

بعد ان کے حلال کرنے کی جگہ بیت عتیق (خانہ کعبہ) کے قریب ہے۔"

اس سے آگے ہے:-

3- وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ (22/36)

"اور قربانی کے اونٹوں 1۔ کو ہم نے اللہ کے دین کی یادگار 2۔ بنایا ہے۔ ان جانوروں میں تمہارے لئے (اور بھی) فائدے ہیں۔ سو تم انہیں کھڑا کرکے ان پر اللہ کا نام لیا کرو۔ پس جب وہ کسی کروٹ گر پڑیں تو تم خود بھی کھاؤ اور سوال کرنے والے اور سوال نہ کرنے والے محتاج کو بھی کھلاؤ۔ ہم نے ان جانوروں کو اس طرح تمہارے زیر حکم کردیا تاکہ تم شکر کرو اور اس کے بعد ہے:-

4- لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ (22/37)

اللہ کے پاس نہ ان کا گوشت پہنچتا ہے اور نہ ان کا خون ولیکن اس کے پاس تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔ اس طرح اللہ نے ان جانوروں کو تمہارے زیر حکم کردیا تاکہ تم اللہ کی بڑائی کرو۔ اس پر جس کی اُس نے تمہیں ہدایت کی ہے اور محسنین کے لئے بشارت ہے۔"

یہ سورہ حج کی آیات ہیں۔ انہیں دیکھئے اور پھر غور کیجئے کہ یہ مسئلہ پیش نظر کے متعلق کس قدر صاف اور واضح ہیں۔

آیت (1) میں سلسلہ کلام کا آغاز ہی اعلانِ حج سے ہوتا ہے اور اسی ضمن میں فرمایا ہے کہ جانوروں کو ذبح کرو اور ان میں سے خود بھی کھاؤ اور حاجت مندوں کو بھی کھلاؤ۔

آیت (2) سے واضح ہے کہ یہ وہ جانور ہیں جن سے پہلے عام جانوروں کا کام لیا جاتا ہے ان پر سواری کرکے یا بوجھ لاد کر حج کے لئے آیا جاتا ہے اور پھر انہیں حج کی تقریب پر مکہ معظمہ میں ذبح کیا جاتا ہے۔

آیت (3) بھی آیت (2) کے مضمون کی تائید کر رہی ہے یعنی ان جانوروں کے فوائد (خیر) اور اس کے بعد ذبح کرکے خود بھی کھانا اور محتاجوں کو بھی کھلانا (ان کے شعائر اللہ ہونے کا بیان آگے چل کر آئے گا)

آیت (4) میں اس غلط تصوّر کا بطلان کیا گیا ہے جس کی رُو سے سمجھا جاتا تھا کہ قربانی کی حیثیت افادی نہیں بلکہ خدا کی خوشنودی ہے جو خون بہانے سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے قربانی کے جانور ذبح کرکے چھوڑ دینے چاہئیں۔ اس کے برعکس یہ واضح کردیا گیا کہ ان جانوروں کے ذبح کرنے سے مقصود خون بہا کر

خدا کو خوش کرنا نہیں' بلکہ مقصود صرف یہ ہے کہ ان کا گوشت تمہارے اور دیگر ضرورت مندوں کے کام آئے۔ اللہ کے نزدیک قابلِ قدر چیز تمہارا تقویٰ ہے۔ تقویٰ کی تشریح اگلے الفاظ سے کر دی جن میں بتایا گیا کہ تمہارا مقصودِ حیات یہ ہے کہ جس ضابطۂ حیات کی طرف تمہاری راہ نمائی کی گئی ہے' اسے مستقل اور مستحکم کرو اور اس طرح دنیا میں قانونِ خداوندی کی عظمت اور کبریائی کو ثبت کر کے دکھا دو۔ اجتماعِ حج اسی مقصد کے حصول کی کڑی ہے اور یہ جانور اس اجتماع میں شامل ہونیوالوں کے خورد و نوش کا ذریعہ بنتے ہیں۔

قرآن کی رُو سے دنیا میں دو ہی قومیں ہیں۔ ایک وہ جو ضابطۂ خداوندی کے مطابق زندگی بسر کریں (مسلم) اور دوسری وہ جو اس کے علاوہ دیگر ضوابطِ زندگی کو اپنا مسلک بنائیں (غیر مسلم)۔ قرآن ان دونوں جماعتوں میں واضح اور غیر مبہم امتیازی خطوط قائم کرنا چاہتا ہے تاکہ وہ زندگی کے ہر شعبہ میں باآسانی پہچانے جا سکیں۔ چنانچہ ہر وہ عمل یا وہ شے جو اس قسم کی پہچان کرا سکے شعائر اللہ کہلاتی ہے۔ شعار اس خاص نشان کو کہتے ہیں جو جنگ میں استعمال کیا جائے تاکہ اس سے اپنے رفیق اور دوست پہچانے جا سکیں۔ حج تمام دنیا کے مسلمانوں کا مرکزی اجتماع اور یک قلبی اور یگ جہتی کا عملی مظاہرہ اور ایک ضابطۂ قانون کے تابع زندگی بسر کرنے والوں کی تعارفی تقریب ہے۔ اس سے بڑا دوستوں اور رفیقوں کا اجتماع اور کونسا ہو سکتا ہے اس لئے حج کے متعلقات (صفا و مروٰی اور بُدن وغیرہ) کو خصوصیت سے شعائر اللہ سے تعبیر کیا گیا ہے سورہ مائدہ میں ہے:-

5- يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا (5/2)

"اے ایمان والو! بے حرمتی نہ کرو شعائر اللہ کی اور نہ حرمت والے مہینے کی' نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانوروں کی اور نہ ان جانوروں کی جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو بیت الحرام کے مقصد سے جا رہے ہوں اور اپنے رب کے فضل اور رضامندی کے طالب ہوں۔"

چونکہ حج سے مقصود' دنیا میں قوانینِ خداوندی کا عملی نفاذ ہے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ نوعِ انسانی میں صحیح توازن پیدا ہو جائے گا اور اس طرح انسانیت اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل ہو جائے گی اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں بیت الحرام کو وجہِ قیامِ انسانیت قرار دیا ہے اس کے ساتھ ہی اس کے متعلقات کو بھی انہی الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ فرمایا:

6- جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ (5/97)

اللہ نے کعبہ کو' جو کہ حُرمت والا مکان ہے' لوگوں کے قیام کا باعث قرار دیا ہے اور عزّت والے مہینے کو بھی اور حرم میں قربانی ہونے والے جانوروں کو بھی جن

کے گلے میں پٹے پڑے ہوں۔

آیات نمبر۱ تا نمبر۴ کو پھر سے سامنے لائیے۔ ان سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ قرآن کی رُو سے:

1- قربانی صرف حج کے موقعہ پر ہے۔

2- قربانی کا مقام مکہ معظمہ ہے جہاں حج ہوتا ہے۔

3- قربانی سے مقصود یہ ہے کہ ان جانوروں کا گوشت کھایا جائے۔

4- یہ سمجھنا کہ جانور ذبح کرنے سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے' غلط ہے'

ان حقائق سے یہ واضح ہو گیا کہ :-

(الف) حج کے علاوہ کسی اور تقریب پر قربانی کا ذکر نہیں۔

(ب) مکہ معظمہ کے علاوہ اور کسی مقام پر قربانی نہیں۔

(ج) جس جانور کا گوشت' کھانے کے کام نہ آئے اسے قربانی نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اس کا صرف خون بہایا گیا ہے اور خون اللہ تک نہیں پہنچتا۔ لہٰذا ایسا کرنا اسراف ہے۔ یعنی بے نتیجہ اور بے مصرف ایک جانور کا ضائع کر دینا۔

فلہٰذا

(I) حج کی تقریب پر جانوروں کو ذبح کر کے مٹی میں دبائے جانا' منشائے قرآن کے یکسر خلاف ہے اور

(II) یہ جو عید کی تقریب پر دنیا بھر کے شہروں میں قربانیاں دی جاتی ہیں' اس کا حکم تو ایک طرف' کہیں ذکر تک بھی قرآن میں نہیں' بلکہ یہ قرآن کے حکم کے خلاف ہے۔ کیونکہ جب قرآن نے قربانی کے مقام کو بالتصریح معیّن کر دیا ہے تو اس معیّن کو عام کر دینا قرآنی منشاء کے خلاف ہے۔ مثلاً" قرآن نے نماز کے لیئے سمتِ قبلہ کو معیّن کر دیا ہے۔ اس کے بعد ہر طرف منہ کر کے نماز پڑھنا قرآنی حکم کے خلاف ہو گا۔

(ایضاً صفحہ 72 تا 77)

قرآن کریم کو بلا سمجھے پڑھنے سے متعلق پرویز صاحب لکھتے ہیں:۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کیا دنیا میں کوئی اور کتاب بھی ایسی ہے جسے آپ بلا سمجھے پڑھتے ہیں۔ کسی ایسی زبان میں لکھی ہوئی کتاب تو ایک طرف رہی جسے آپ جانتے ہی نہ ہوں' اگر کتاب کی زبان آپ جانتے ہوں اور وہ کتاب آپ کی استعداد سے زیادہ مشکل ہو تو بھی آپ اسے نہیں پڑھیں گے کہ جب کچھ پلّے ہی نہیں پڑتا تو پھر اسے پڑھا کس لئے جائے۔

جب یہ کیفیت ہے تو پھر قرآن کو کیوں اس سے مستثنیٰ رکھا جاتا ہے؟ کتاب پڑھنے سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ آپ اس کتاب کے مضامین (CONTENTS) کو سمجھ سکیں۔ اگر آپ اس کے مافیہ کو نہیں سمجھ سکتے تو اس کا پڑھنا آپ کو کیا فائدہ دے گا۔ یہ ایک عام سمجھ کی بات ہے۔ پھر معلوم نہیں "مذہب" کے

معاملہ میں سمجھ کو کیوں الگ رکھ دیا جاتا ہے۔ قرآن ایک کتاب ہے اور اس میں یہ لکھا ہے کہ تمہیں دنیا میں زندگی کس طرح بسر کرنی چاہئے۔ اب ظاہر ہے کہ اس کتاب کو پڑھا اس لئے جائے گا کہ سمجھا جائے' اور سمجھا اس لئے جائے گا کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ کہئے! اس کے الفاظ کو دُہرا لینے سے یہ مقصد حاصل ہو جائے گا؟ قرآن اپنے آپ کو "کتابِ مبین" (ایک واضح کتاب) کہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میری زبان "عربیٔ مبین" (صاف اور سلیس واضح عربی زبان ہے) ہے۔ وہ آپنے آپ کو ہدایت (راہنمائی) اور نور (روشنی) بتاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس میں قوموں کے عروج و زوال کے بیّن اصول منضبط ہیں۔ وہ بتاتا ہے کہ اس میں ارتقاءِ شرفِ انسانیت کے قوانین و آئین مندرج ہیں۔ وہ اپنے مضامین پر بار بار دعوتِ غور و فکر دیتا ہے۔ وہ ہر صاحبِ فکر و نظر کو اس میں تدبّر و تفکّر کے لئے تاکید کرتا ہے۔ وہ اس میں تدبّر نہ کرنے والوں کو سطحِ انسانیت سے گرا ہوا قرار دیتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو عقل کی آنکھ کے لئے سورج کی حیثیت سے پیش کرتا ہے۔ ہم پوچھتے ہیں کہ قرآن کا یہ مقصد بلا سوچے سمجھے پڑھنے سے حاصل ہو سکتا ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ قرآن پر اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو گا کہ اسے بلا سمجھے پڑھا جائے۔ آپ کسی مصنّف سے یہ کہئے کہ میں تمہاری کتاب کے ایک لفظ کو بھی نہیں سمجھتا۔ لیکن اس کے باوجود ہر روز اسے پڑھتا ہوں حتیٰ کہ مجھے وہ زبان بھی نہیں آتی۔ جس میں تم نے کتاب لکھی ہے۔ اس کے باوجود اس کے الفاظ کو دہراتا رہتا ہوں۔ آپ خود ہی سوچئے کہ وہ مصنف آپ کو کیا جواب دے گا؟ حقیقت یہ ہے کہ اُمّت کو قرآن سے دُور لے جانے کا سب سے مؤثر حربہ یہ تھا کہ اس کے دل میں اس خیال کو راسخ کر دیا جائے کہ قرآن کو بلا سمجھے پڑھنے سے بھی "ثواب" حاصل ہوتا ہے۔ یہ ان سازشوں میں سے بڑی سازش تھی جو دنیا میں اس عظیم المرتبت قوم کو اس کے مقام سے گرانے کے لئے سوچی گئیں۔ (ہم جانتے ہیں کہ وہ مسلمان جن کی زبان عربی ہے یا جو عربی جانتے ہیں' وہ بھی دوسروں کے ساتھ ہی ذلیل ہیں۔ لیکن اس کے لئے اور وجوہات ہیں) جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں یہ عقیدہ کہ بلا سمجھے قرآن کے الفاظ دہرانے سے "ثواب" ہوتا ہے۔ یکسر غیر قرآنی عقیدہ ہے۔ یہ عقیدہ درحقیقت عہدِ سحر (AGE OF MAGIC) کی یادگار ہے۔ جب یہ سمجھا جاتا تھا کہ الفاظ اپنے اندر تاثیر رکھتے ہیں (معانی نہیں بلکہ الفاظ) یہ قرآنی اعمال۔ تعویذ۔ نقوش۔ وظائف اوراد' سب اسی عقیدہ کی مستعار شکلیں ہیں۔ قوم ہزار برس سے ان توہمات میں اُلجھی چلی آ رہی ہے اور ان سے نجات کی بھی کوئی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ اس لئے کہ قوم کو جہالت کی اِن وادیوں میں گھیرے رکھنے سے ایک طبقہ کی روٹی وابستہ ہے۔ اس لئے وہ اسے ظلمات سے نور کی طرف آنے ہی نہیں دیتا۔ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ اس کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔ تو بھوک کا تصوّر اس طبقہ کو ہر قسم کی مخالفت کے لئے کمربستہ کر دیتا ہے اور اس آواز کو "مذہب اور سلفِ صالحین کے طریقہ" کے خلاف قرار دے کر عوام کے جذبات مشتعل کر دیتا ہے۔ یہی ہے مترفین اور دوسروں کی کمائی پر زندگی بسر کرنے والوں کا وہ گروہ جو ہمیشہ حق کی آواز کے خلاف محاذ قائم کرتا رہا ہے' اور آج بھی یہی کچھ کر رہا ہے۔ اس لئے

کہ انہیں معلوم ہے کہ قرآن (حضرت) موسیٰ کا وہ اژدہا ہے جو ان ساحرین کی نگاہ فریب رسّیوں کو صاف نگل جائے گا۔ اس لئے وہ قرآن کریم کو قوم کے سامنے کبھی بے نقاب نہیں ہونے دیں گے' اور اس کے لئے وہ اُن پڑھوں کو قرآنی الفاظ کے دہرانے کے "ثواب اور لکھے پڑھوں کو اسرائیلی روایات پر مشتمل تفاسیر کے فریب میں مبتلا رکھیں گے تاکہ۔ ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں۔ (ایضاً" صفحہ 261-263-1953ء)

شق نمبر8: صحابہ کرامؓ اور سلف صالحینؒ:۔ اس کے متعلق اس سے زیادہ کیا کہا جائے جو شخص صحابہ کرامؓ کا زبان پر نام آتے ہی رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ کا قرآنی ورد کرتا ہو اس کے متعلق اتنا بڑا جھوٹ بولنے والوں کو بارگاہِ ایزدی سے ہی سزا مل سکتی ہے۔ اگر یہ لوگ پرویز صاحب کی کتاب "شاہکارِ رسالت" - فاروقِ اعظمؓ ہی پڑھ لیتے تو انہیں پتا چل جاتا کہ پرویزؒ صاحب کے نزدیک حضور نبی اکرم کے ان رفقاء کا مقام کیا ہے۔ ہم پرویز صاحب کے مفہوم القران سے سورہ الفتح کی آیت 29 کا پرویزؒ صاحب کا بیان کردہ مفہوم درج ذیل کرتے ہیں تاکہ قارئین یہ اندازہ لگا سکیں کہ پرویز صاحب' اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ اصحاب کی عظمت پر کس طرح جھوم جھوم جاتے ہیں۔

"محمدؐ اللہ کا رسول اور اس کے رفقاء کار کی جماعت۔ یہ جماعت بھی کیا عجیب وغریب جماعت ہے! ان کی کیفیت یہ ہے کہ یہ حق کے مخالفین کے مقابلہ میں چٹان کی طرح سخت ہیں لیکن باہم وگر بڑے ہی نرم دل اور ہمدرد (5/54) تو انہیں دیکھتا ہے کہ وہ کس طرح ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے جھک جاتے ہیں اور قوانینِ خداوندی کے سامنے پیکرِ تسلیم و رضا بن جاتے ہیں (لیکن یہ تارک الدّنیا راہبوں کی جماعت نہیں) یہ قانونِ خداوندی کے مطابق' سامانِ زیست کی تلاش میں مصروفِ تگ و تاز رہتے ہیں اور اس کے ساتھ اس کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا ہر عمل قانونِ خداوندی سے ہم آہنگ اور ان کی سیرت صفاتِ خداوندی سے یکرنگ ہو جائے۔ اس سے انہیں جو سکونِ قلب اور حقیقی مسرت حاصل ہوتی ہے' اس کے اثرات ان کے چہروں سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کی یہ علامات سابقہ کتبِ آسمانی ---- تورات و انجیل ---- میں بھی مذکور تھیں۔

انہوں نے نظامِ خداوندی کو جس طرح قائم کیا اور پروان چڑھایا ہے' اس کی مثال یوں سمجھو کہ جب عمدہ بیج سے کونپل پھوٹتا ہے تو اس کی پہلی کونپل بڑی نرم و نازک ہوتی ہے۔ پھر جوں جوں اس کی جڑ مضبوط ہوتی جاتی ہے اس کی نال موٹی ہوتی جاتی ہے' حتیٰ کہ وہ اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے سہارے آپ محکم اور استوار طریق پر قائم ہو جاتی ہے (اس میں خوشے لگتے ہیں اور خوشوں میں دانے پڑ کر سخت اور مضبوط ہو جاتے ہیں۔ یوں وہ ننھا سا بیج پکی ہوئی فصل میں تبدیل ہو جاتا ہے)' جب کاشت کار اپنی محنت کو اسطرح ثمربار ہوتے دیکھتا ہے تو وجد و مسرت سے جھوم اٹھتا ہے لیکن یہی چیز اس کے مخالفین کے سینے پر سانپ بن کر لوٹنے لگ جاتی ہے۔

اسی طرح اللہ ہر اس جماعت کو جو اس کے قوانین کی صداقت پر ایمان لا کر اس کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل پیرا ہوتی ہے' اس امر کا وعدہ دیتا ہے (یعنی یہ اس کا قانون ہے) کہ ان کی کوششوں کا ننھا سا

بیج، تمام خطرات سے محفوظ رہے گا اور ان کی کھیتی پک کر بہترین ثمرات کی حامل ہو جائے گی۔ (24/55) (لیکن اس کے لئے اس قسم کی محنت اور استقامت کی ضرورت ہو گی جس قسم کی محنت اور استقامت کا ثبوت کسان دیتا ہے (تخم صالح، قوانینِ فطرت سے مطابقت، مسلسل محنت اور استقلال و استقامت، کھیتی کی برومندی کے لئے یہ تمام شرائط لا ینفک ہیں)۔

جہاں تک سلفِ صالحین کا تعلق ہے، پرویز صاحب لکھتے ہیں:۔ "ہر فرقہ اپنے نظریات و معتقدات کو اپنے بزرگوں کی طرف منسوب کرتا ہے۔ ان میں سے جس نظریہ یا عقیدہ کو میں قرآن کے خلاف پاتا ہوں، اسکے متعلق بنا بر احتیاط و احترام، یہ سمجھتا اور کہتا ہوں کہ ان بزرگوں کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ وہ کوئی ایسا نظریہ یا عقیدہ پیش نہیں کر سکتے تھے جو قرآن کے خلاف ہو۔ لیکن اگر ان کے متبعین اس پر اصرار کریں کہ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح ہے، انہوں نے ایسا ہی کہا یا کیا تھا، تو میں کہہ دیا کرتا ہوں کہ ایسا کہنا آپ کو مبارک، میں ان کے متعلق سوءِ ظن سے کام نہیں لینا چاہتا۔ میں ان کا احترام کرتا ہوں"۔ (شاہکار رسالت ایڈیشن نومبر 1994ء صفحہ 56)

ق نمبر9 جنّت اور دوزخ سے انکار:۔ پرویز صاحب جنّت اور دوزخ سے انکار نہیں کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ جنت اور دوزخ صرف اُخروی زندگی ہی سے متعلق نہیں بلکہ اِن کی ابتداء اسی زندگی سے ہو جاتی ہے اور اس کے تسلسل میں حیاتِ آخرت میں بھی جنت اور دوزخ کی زندگی ہے۔ اور یہ مفہوم قرآن کریم ہی کی رہنمائی سے حاصل کیا گیا ہے۔ جنّت کے متعلق ارشاد ہے۔

جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ 3/133

"وہ جنت جسے اللہ تعالیٰ نے متقین کے لئے تیار کر رکھا ہے، اس کی وسعتیں آسمانوں اور زمین کو محیط ہیں۔"

قرآنِ کریم سے ثابت ہے کہ جنّت کا بیان تمثیلی ہے:۔ سورہ رعد میں ہے۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ط تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا ط تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ (13/35)

"جس جنّت کا وعدہ متقیوں سے کیا جاتا ہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ (ایک باغ ہے جسے) آبِ رواں سیراب کرتا ہے۔ اس کی وجہ سے وہ کبھی پژمردہ اور خشک نہیں ہوتا۔ اس کے درختوں کا سایہ بھی دائمی ہے اور پھل بھی۔ یہ متقیوں کے انجام کی بات ہے۔ باقی رہے کفّار، سو ان کا انجام آگ کا عذاب ہے"۔

اسی طرح سورہ محمدؐ میں بھی کہا گیا ہے کہ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ..... (47/15) جس جنّت کا وعدہ متقیوں سے کیا جاتا ہے اسکی مثال یوں سمجھو کہ اس کا پانی رواں رہتا ہے جس کی وجہ سے اس میں سڑاند پیدا نہیں ہوتی۔ (وہاں کے رزق پر لوگ بند لگا کر نہیں بیٹھ جاتے) اور دودھ کی ندیاں جس کا ذائقہ بگڑتا نہیں اور خمر کی ندیاں جس کی لذّت بڑی ہی خوشگوار ہے اور نہایت صاف و شفاف شہد کی ندیاں اور ہر

قسم کے پھل اور سامان حفاظت..... (خمر کے متعلق دوسرے مقامات میں ہے کہ اس سے نشہ آور شراب مراد نہیں)

سورہ آل عمران میں ہے جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ (3/132) "ایسا باغ جس کی وسعت ارض و سماوات (جملہ کائنات) کو محیط ہے۔" دوسری جگہ ہے۔ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (57/21) "اس کا عرض زمین اور آسمان کے عرض کی مثل ہے۔" ان تصریحات سے واضح ہے کہ جنّت کسی خاص مقام کا نام نہیں۔ اس کے چشموں کے متعلق کہا کہ عَيْنًا يَّشْرَبُ بِهَا عِبَادُ اللّٰهِ يُفَجِّرُوْنَهَا تَفْجِيْرًا (76/6) "اللہ کے بندے پیتے ہیں اس چشمے سے جسے وہ خود پھاڑ کر نکالتے ہیں" یعنی وہ چشمہ ان کے اپنے قلب کی گہرائیوں سے پھوٹتا ہے کہیں خارج میں واقع نہیں ہوتا۔ اس چشمے کو سلسبیل کہتے ہیں (76/18) سلسبیل (سبل + سبیل) کے معنی ہیں جو راستہ پوچھتے ہوئے خود بخود آگے بڑھتا چلا جائے۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (32/17)

"کوئی شخص (اپنے شعور کی موجودہ سطح پر) نہیں جان سکتا کہ اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا وہ سامان جو اس وقت اس کی نگاہوں سے پوشیدہ ہے' کیا ہے؟ وہ اس کے اعمال کا فطری نتیجہ ہو گا۔"

اس سے واضح ہے کہ جنّتِ اُخروی کی کنہ و حقیقت اور ماہیت و کیفیت کو ہم اس زندگی میں سمجھ نہیں سکتے' ہم اس کے تمثیلی بیان سے بس کچھ اندازہ سا کر سکتے ہیں۔ اس حقیقت کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ان تشبیہات و استعارات کے الفاظ تو ہماری (عربی) زبان کے ہیں لیکن ان کا مفہوم مجازی ہے۔ شکوک و شبہات کے تمام کانٹے اس بنیادی حقیقت کو نظر انداز کر دینے سے اُبھرتے ہیں۔

اسی طرح جہنم کی بھی تفاصیل قرآن کریم کے مختلف مقامات پر بکھری پڑی ہیں۔

پرویز صاحب نے اُخروی زندگی اور اس کے متعلق قرآنِ کریم کے تشبیہانہ انداز سے متعلق تفصیلات پر اپنی مستقل تصنیف "جہان فردا" میں بحث کی ہے۔ اس کا مطالعہ ہر قسم کے شکوک و شبہات کا ازالہ کر دیتا ہے۔ پرویزؒ صاحب چونکہ اپنی تمام تر فکر کی بنیاد قرآنِ کریم کی تعلیمات پر اُٹھاتے ہیں' اس لئے قرآنِ کریم میں بیان کردہ ہر صداقت پر اُن کا ایمان ہے جیسا کہ ہر مسلمان کا ہونا چاہئے۔

اس مقام پر ہم اسباب زوالِ اُمّت کے آخر میں دیئے گئے' پرویز صاحب کے نام ایک خط اور اس کا جواب نقل کرتے ہیں' جس کے بعد پرویز صاحب کی دعوت کے متعلق کسی قسم کا کوئی ابہام اور کوئی غلط فہمی نہ رہنا چاہئے غور فرمایئے۔

ایک خط اور اس کا جواب:۔ میرے جو خیالات سابقہ اوراق میں آپ کی نظروں سے گزرے ہیں' انہوں نے فضا میں خاصا تحرک پیدا کر دیا' اس حد تک کہ میرے ایک شفیق دوست نے' ان سے متاثر ہو کر' مجھے ذیل کا خط لکھا:-

"پچھلے دنوں کئی آوازیں میرے کانوں میں آئیں کہ:-

پرویز صاحب کا یہ اندازہ خود پسندانہ ہے کہ گذشتہ صدیوں میں اسلام کی جتنی تعبیرات ہوئی ہیں' وہ از 'الف' تا 'ی' غلط ہیں اور سو فیصد صحیح تعبیر (INTERPRETATION)..... وہ ہے جو میں کر رہا ہوں۔ ممکن ہے کسی خاص جملے سے یہ بات ظاہر نہ ہوتی ہو' لیکن پوری تحریرات سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پچھلی صدیوں میں جہاں' جب اور جو کچھ ہوا' وہ سازش عجم ہی کا نتیجہ تھا۔"

اگر یہ اعتراض جو آپ کی نگارش پر سننے میں آئے ہیں کسی حد تک صحیح ہوں' تو میری مخلصانہ رائے ہے کہ اس روش میں ایک حسین ترمیم یوں کر دی جائے کہ "پچھلوں نے جو کچھ بھی لکھا یا کیا ہے' وہ سب کا سب سازش عجم' اس لئے کُل کا کُل غلط نہیں' بلکہ ان کا بیشتر حصہ صحیح ہے۔ لیکن بات صرف اتنی ہے کہ وہ تعبیرات اپنے اپنے ادوار کے لئے اور اپنے اپنے عصری تقاضوں کے مطابق تھے۔ اب فلاں فلاں گوشوں کو جدید مقتضیات میں ڈھالنے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا ان کی تعبیریں یوں ہونی چاہئیں اور یہ تعبیرات بھی دائمی نہ ہوں گی۔ جب نئے تقاضے سامنے آئیں گے' تو یہ بھی نیا لباس پہن لیں گی۔ میرا خیال ہے کہ یہ انداز زیادہ مؤثر اور جاذب اور حکمتِ تدریج کے مطابق ہو گا۔"

اس کے جواب میں میں نے یہ لکھا:

گزارش ہے کہ میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ پچھلی صدیوں میں جہاں' جب اور جو کچھ ہوا' وہ سازشِ عجم کا نتیجہ تھا اور جو تعبیرات میں پیش کر رہا ہوں' وہ سو فیصد صحیح اور دائمی ہیں۔

شق اول کے متعلق جو کچھ میں کہتا ہوں' وہ فقط اتنا ہے کہ میرے نزدیک الدّین مُنزّل مِنَ اللّٰہ (خدا کی طرف سے نازل شدہ) ہے اور وہ قرآن کے اندر محفوظ ہے۔ جو کچھ ہمیں آج دین کے نام سے بتایا جاتا ہے' اس میں جو بات قرآن کے خلاف ہے' وہ صحیح نہیں ہے۔

اس کے جواب میں مجھ سے کہا جاتا ہے کہ جس چیز کو تم قرآن کے خلاف کہتے ہو' وہ فلاں روایت میں لکھی ہے اور فلاں بزرگ کی کتاب میں درج ہے۔

میرا جواب یہ ہوتا ہے کہ میرے نزدیک نہ رسولؐ اللہ کوئی بات (معاذ اللہ) قرآن کے خلاف فرما سکتے تھے۔ اور نہ ہی میں ان بزرگوں کے متعلق ایسا گمان کر سکتا ہوں کہ انہوں نے قرآن کے خلاف کچھ پیش کیا ہو۔ لہٰذا یہ چیزیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آئمہ ملّت کی طرف غلط منسوب کر دی گئی ہیں اور یہی عجم کی سازش تھی۔ اگر اس پر بھی کسی کو اصرار ہے کہ نہیں !...... یہ باتیں رسولؐ اللہ اور ائمہ کرام ہی کی ہیں' تو میں صرف اتنا عرض کر سکتا ہوں کہ یہ جرأت آپ کو مبارک' میں تو اس کے تصور سے بھی کانپتا ہوں کہ کسی ایسی بات کو جو قرآن کے خلاف ہو (معاذ اللہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضورؐ کے کسی سچے متبع کی طرف منسوب کی جائے۔

اب رہا یہ سوال کہ اس کا کیا معیار ہے کہ فلاں بات صحیح ہے اور فلاں غلط۔ سو اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ اس کا معیار قرآن ہے۔

اگر آپ اس معیار پر متفق ہو جاتے ہیں' تو پھر بات بہت سہل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد اگر کچھ فرق ہو گا' قرآن کی تعبیر کا ہو گا' سند اور حجت کا نہیں ہو گا۔ میں نے یہ کبھی نہیں کہا کہ میری تعبیر سو فیصد صحیح اور دائمی ہے۔ اس کے برعکس' میں شروع سے آج تک' مسلسل و مواتر کہتا چلا آ رہا ہوں کہ آپ یہ نہ دیکھئے کہ میں کیا کہتا ہوں۔ آپ از خود' براہِ راست قرآن پر غور کیجئے اور پھر سوچئے کہ اصل دین کیا ہے۔ میری زندگ کا مقصد مسلمانوں کو براہِ راست قرآن تک پہنچانا ہے اور بس!

میں نے آج تک جو کچھ لکھا ہے' وہ قارئین کے سامنے ہے۔ میں ہر سوچنے والے کو ہمیشہ دعوت دیتا ہوں کہ وہ میری تحریر کو قرآن کے معیار پر پرکھے اور جہاں کوئی غلطی نظر آئے' اس سے مجھے مطلع کرے جس کے لئے میں اس کا شکر گزار ہوں گا۔ اس کے جواب میں معترضین کی طرف سے آج تک کبھی کسی نے یہ نہیں لکھا کہ تمہاری فلاں بات قرآن کے خلاف ہے۔ ہمیشہ یہ کہا ہے کہ تم حدیثوں کے منکر ہو اور اسلاف کے ناقد ہو' اس لئے مرتد ہو' کافر اور نہ جانے کیا کیا ہو۔؟

باقی رہا کسی تعبیر کا دائمی ہونا' سو اس کے متعلق میں متعدد بار لکھ چکا ہوں کہ ہم قرآن کو اپنے زمانے کی علمی سطح کے مطابق ہی سمجھ سکتے ہیں۔ آنے والے زمانے میں جب علمی سطح اور بلند ہو جائے گی' تو وہ لوگ قرآن فہمی میں ہم سے آگے بڑھ جائیں گے۔ اس لئے میں اپنی کسی تعبیر کو دائمی کس طرح کہہ سکتا ہوں؟ لیکن کسی تعبیر کا اصولِ قرآن کے خلاف ہونا اور بات ہے اور اس کا کسی ایک زمانے کی علمی سطح کے مطابق ہونا اور بات ہے۔ میں جس بات کی مخالفت کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ کوئی تعبیر اصولِ قرآن کے خلاف نہیں ہونی چاہئے۔

اب رہی میرے محترم کی ترمیم' سو اس کے دو حصے ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآنِ کریم میں جن امور کا اصولی طور پر ذکر ہے' ان کے جزائی قوانین ہر دور کے تقاضوں کے مطابق مدوّن کئے جائیں گے۔ مثلاً" قران میں زکوٰۃ کا اصولی حکم ہے۔ اس کی جزئیات ہر دور کا قرآنی نظام خود متعیّن کرے گا۔ اس باب میں یہ کہنا بالکل درست ہے کہ ان امور کی جزئیات اپنے اپنے دور کے لئے اور اپنے اپنے عصری تقاضوں کے مطابق متعیّن ہیں۔ اس چیز کو میں اپنی تحریروں میں بار بار دُہرا چکا ہوں اور میرے نزدیک اسلامی نظام کی بنیاد ہی اس اصول پر ہے۔

دوسرا حصہ یہ ہے کہ کسی دور میں کوئی ایسا اصول وضع کر لیا جائے جو قرآن کے خلاف جاتا ہے' تو اس کے متعلق یہ نہیں کہا جا سکے گا کہ وہ اصول اس دور کے لئے صحیح تھا اور اس لئے اب نئے سانچے میں ڈھالنا چاہئے۔ یہ قرآن پر اضافہ ہے جو میرے نزدیک قطعاً" جائز نہیں۔ مثلاً" یہ عقیدہ کہ قرآن کے ساتھ قرآن کی مثل کچھ اور بھی ہے (مثلہٗ معہٗ) اور یہ وہ مجموعہ روایات ہے جسے رسول اللہ کے دو اڑھائی سو سال کے بعد لوگوں نے انفرادی طور پر مرتّب کیا۔ یہ ایک اصولی عقیدہ ہے جو قرآن کے خلاف ہے' کیونکہ قرآن بے مثل و بے نظیر ہے۔ یہ عقیدہ نہ اپنے دور میں صحیح تھا نہ اسے آج ہی کسی اور سانچے میں ڈھالا جا سکتا ہے۔

میرے نزدیک یہ عقیدہ خالص عجم کی سازش کا نتیجہ ہے کیونکہ اس سے بہت سی غیر قرآنی چیزوں کو عین اسلام بنانا بالکل آسان ہو جاتا تھا۔ دین اگر قرآن کے اندر محدود رہتا تو غیر قرآنی تصوّرات کو اسلام بنانے کی گنجائش ہی نہ رہتی۔ اس قسم کی خلافِ قرآن چیزوں کے متعلق میں کہتا ہوں کہ یہ بلا تامّل و توقف ردّ کر دینے کے قابل ہیں' بلکہ یہ کہ جب تک انہیں رد نہ کیا جائے' حقیقی اسلام اُجاگر ہو کر سامنے نہیں آ سکتا۔

یہ ہے مختصر الفاظ میں' اس ضمن میں میرا مسلک۔ اس باب میں' میں نہ کسی حکمتِ تدریج کا قائل ہوں نہ اصول کو پسِ پشت ڈال کر انداز و اسلوب کو زیادہ مؤثر و جاذب بنانے کی مصلحت اندیشیوں کا حامی (حکمتِ تدریج کے اور مقام ہوتے ہیں) میرا خیال ہے کہ ہمیں اس قسم کی مصلحت کوشیوں کے ہاتھوں یہ دن دیکھنے نصیب ہوئے ہیں۔ اس لئے کوئی وقت تو ایسا آنا چاہئے جب ہم بلا محابا یہ کہہ سکیں کہ یہ کچھ دین ہے اور یہ کچھ دین نہیں۔ میں مبداءِ فیض کی اس کرم گستری پر قدم قدم پر سپاس گذار ہوں کہ اس نے مجھے یہ توفیق عطا فرمائی ہے کہ میں قرآن کے معاملہ میں صاف صاف' بغیر لگی لپٹی' دو ٹوک بات کہہ سکوں اور اس پر بحضور رب العزّت سجدہ ریز ہوں کہ ؎

ز برون در گذشتم ز درون خانہ گفتم
سخنے نہ گفتہ را چہ قلندرانہ گفتم

دین کا نظام' پرویز صاحب کے نزدیک کس طرح قائم ہو سکتا ہے' اس پر پرویز صاحب اسباب زوال امت میں تتمہ کے طور لکھتے ہیں کہ:

"اضافہ:۔ آخر میں' میں مختصر الفاظ میں یہ بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ دین کا نظام قائم کس طرح ہوتا ہے۔ اس طرح کہ:

1- ایک آزاد مملکت اس امر کا اعلان کرے کہ اس کا تمام کاروبار' قرآن کریم کے مطابق ہو گا۔

2- قرآنِ کریم میں کچھ احکام و قوانین' متعیّن شکل میں دیئے گئے ہیں اور بعض اقدار اصول کے طور پر بیان ہوئی ہیں۔ قرآن کے اصول و قوانین ہوں یا اقدار' سب غیر متبدّل ہیں اور تمام مسلمانوں پر ہمیشہ کے نافذ العمل رہنے کے لئے دی گئی ہیں۔

3- جن اقدار کے صرف اصول دیئے گئے ہیں' مملکت کے اربابِ فکر و نظر' نمائندگانِ ملّت' ان اصولوں کی روشنی میں' اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق' ان کے جزئی قوانین مرتّب کریں گے۔ جو کچھ پیچھے سے چلا آرہا ہے' اس میں جو قوانین ایسے ہوں گے جو قرآنی اصولوں کے مطابق ہیں اور جو ہمارے زمانے کی ضرورتوں کو پورا کرتے ہیں' انہیں ویسے ہی رہنے دیا جائے گا۔ جن میں تبدیلی کی ضرورت ہوگی' ان میں تبدیلی کر لی جائے گی۔ جہاں نئے قانون کی ضرورت ہو' نیا قانون بنا لیا جائے گا۔ اس طرح قرآن کے اصول غیر متبدّل رہیں گے اور ان کے اندر وضع کردہ قوانین' زمانے کی ضرورتوں کے ساتھ ساتھ بدلتے جائیں گے۔ یوں مستقل اور قابل تغیّر و تبدل عناصر کے حسین امتزاج سے' کاروانِ ملّت آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

4۔ دین کا مقصد' انسان کے اس دنیا کے معاملات کو اس طرح حل کرنا ہے کہ اس سے وہ فساد (ناہمواری) ختم ہو جائے جس کی وجہ سے افراد اور اقوام اس بُری طرح جہنم کے عذاب میں گرفتار ہیں اور اس کے ساتھ ہی افراد کی ذات کی نشوونما اس طرح ہوتی جائے کہ وہ موت کے بعد کی زندگی کی ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جائے۔ اگر اس سے یہ نتائج مرتّب نہیں ہوتے' تو ہمیں سمجھ لینا چاہئے کہ اِس میں کہیں خرابی ہے۔ اِس خرابی (یا خرابیوں) کا سُراغ ہمیں قرآنِ کریم کی روشنی میں مل سکتا ہے۔ میری حقیر کوششوں سے مقصود یہ ہے کہ ہم خرابیوں کا ازالہ کر کے دین کے نظام کو اُنہی خطوط پر متشکل کر سکیں جن پر یہ حضور رسالت مآبؐ کے عہدِ مبارک میں استوار ہوا تھا۔

اس کے ساتھ اتنا اور سمجھ لینا چاہئے کہ جب تک وہ نظام قائم نہ ہو' (جسے خلاف علی منہاج رسالت کہا جاتا ہے) اُس وقت تک اُمّت جس جس طریق سے اسلام کے ارکان کو ادا کرتی چلی آ رہی ہے' اس میں نہ کوئی تبدیلی کی جائے اور نہ ہی کوئی نیا طریقہ وضع کیا جائے۔ اس سے خواہ مخواہ مزید اختلاف اور انتشار پیدا ہو گا۔ البتّہ جو نظریات و تصوّرات یا رسوم اور رواج قرآن کے خلاف رائج ہیں' ان کی بابت یہ بتایا جائے کہ یہ قرآن کے خلاف رائج ہیں اور قرآنی نظام کی صحیح شکل کو اُجاگر کر کے اُمّت کو اِس طرف آنے کی دعوت دی جائے۔ جب وہ نظام قائم ہو جائے گا' تو یہ اس کا فریضہ ہو گا کہ دیکھے اور فیصلہ کرے کہ مسلمانوں کے موجودہ اختلافات کو مٹا کر ان میں پھر سے وہ وحدتِ فکر و عمل کیسے پیدا کی جائے جو عہدِ رسالت مآبؐ میں وجہِ بالیدگی ملّت تھی۔ میری کوشش بس اتنی ہے۔

ہم اسلامی ثقافتی مرکز والوں اور دیگر معترضین سے صرف اتنی گذارش کریں گے کہ اگر ان کا اللہ پر ان معانی میں ایمان ہے کہ انہوں نے ایک دن اس کے حضور پیش ہونا ہے اور ان سے ایک ایک بات' قول' فعل' عمل' دلوں میں اٹھنے والے خیالات اور نگاہوں کی خیانت تک کا حساب لیا جائے گا' تو اپنی اس قسم کی حرکتوں کو آئینہ قرآن میں دیکھنے کی کوششیں کریں۔ اور سیاق و سباق سے توڑ کر' پرویز صاحب کی تحریروں کو غلط رنگ میں پیش نہ کریں۔

حضور نبیٔ اکرمؐ کی ذاتِ اقدس واعظم سے اُنکی عقیدت اور انکے احترام کا اظہار ان کی متعدد تحریروں سے ہوتا ہے' اس کی ایک جھلک آپ اس مقالے کی ابتداء میں دیکھ چکے ہیں۔ ہم آپکے سامنے انکے اپنے الفاظ ان کی عقیدت اور ان کے اس احترام کی ایک اور تصویر پیش کرتے ہیں جسے دیکھ لینے کے بعد پرویز صاحب کے معتقدات کے متعلق کوئی غلط فہمی نہ رہنا چاہئے۔ وہ اپنی کتاب شاہکارِ رسالت میں اپنی گذرگاہِ خیال کے باب میں لکھتے ہیں کہ اپنے ابتدائی دور میں جب وہ روایتی اسلام کے لٹریچر بالخصوص احادیث میں ایسی باتیں پڑھتے جو کسی طور پر حضور نبیٔ اکرمؐ کے شایانِ شان نہ ہوتیں تو بے حد مضطرب ہو جاتے اور:

یوں کہئے کہ میں اُس زمانے میں لاکی منزل سے گزر رہا تھا اور الاُنہوز میرے سامنے نہیں آیا تھا۔ ان حالات میں عین ممکن تھا کہ میں اسلام ہی سے برگشتہ ہو جاتا لیکن (میری انتہائی خوش بختی کہ) اس ورطۂ لاَ

میں ایسا جاذبہ موجود رہا جو ان تلاطم خیزیوں میں میری کشتی کا لنگر بن گیا اور وہ جاذبہ تھا حضور نبی اکرمؐ کی ذاتِ اقدس واعظمؐ کے ساتھ میری بے پناہ عقیدت ہی نہیں محبت۔ میرا ایمان تھا کہ ایسی عظیم ہستی' جس نے انسانوں کی داخلی اور خارجی دنیا میں ایسا تحیر انگیز انقلاب برپا کر دیا تھا' نہ تو (معاذ اللہ) فریب خوردہ ہو سکتی ہے نہ فریب کار' اس لئے جب آپؐ نے فرمایا ہے کہ قرآنِ مجید نہ میری' نہ کسی اور انسان کی فکری تخلیق ہے بلکہ یہ خدا کا کلام ہے' تو مجھے اس دعوٰی کو یوں ہی نہیں جھٹک دینا چاہئے' انتظار کرنا چاہئے تاآنکہ میں قرآن کو خود سمجھنے کے قابل ہو جاؤں۔ بس یہ تھا ایک سہارا (اور کس قدر محکم سہارا) جس نے مجھے ان طوفانوں میں تھامے رکھا اور میرے پاؤں میں لغزش نہ آنے دی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے کم کشش کی کوئی قوت مجھے اس ورطہ میں سنبھال نہیں سکتی تھی۔ سچ ہے۔

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رَو
عشق خود اک سیل ہے' سیل کو لیتا ہے تھام

کس قدر احسانِ عظیم ہے اِس ذرّۂ ناچیز پر اُس آفتابِ عالم تاب کا جس کی رحمۃ اللعالمینی کے تصدق مجھے منزل ملی' مقام ملا' مدعا ملا۔

کوثر چکد از لبم' بایں تشنہ لبی
خاور دمد از شبم' بایں تیرہ شبی
اے دوست ادب کہ در حریمِ دلِ ماست
شاہنشہ انبیاءؐ رسولِ عربی

ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یایھا الذین امنو صلوا علیہ وسلموا تسلیما۔ (33/56 شاہکارِ رسالت صفحہ 36 ایڈیشن 1994ء)

قرآن کریم کے ایک معروف سکالر ڈاکٹر سید عبدالودود صاحب ۔ جو قرآن اور سائنس کے موضوع پر Quran and the Phcnomena of Nature اور The Heavens, The Earth and the Quran جیسی مشہورِ زمانہ کتابوں کے مصنف ہیں اور جنہوں نے Conspiracis Against Quran اور Gataway to the Quran جیسی کتابیں بھی تصنیف کی ہیں' پرویزؒ صاحب کے متعلق لکھتے ہیں:۔

علامہ پرویزؒ کا شمار چوٹی کی ان نابغہ روزگار علمی شخصیات میں ہوتا ہے جو پچھلی دو صدیوں میں برِّصغیر پاک و ہند میں پیدا ہوئیں۔ ان کا فلسفہ' فلسفہ قرآن تھا۔ انہوں نے قرآنِ کریم کا اس گہرائی اور گیرائی سے مطالعہ کیا کہ اپنے اوائل عمر ہی سے قرآنِ کریم پر ان کی فراواں تحریریں مفصل' صاف و صریح' قابلِ فہم' غیر مبہم اور مؤثر انداز لئے ہوئی تھیں۔ انہوں نے جو کچھ سمجھا اور تحریر و پیش کیا' وہ بالعموم قرآنِ حکیم ہی کی تعلیمات پر مبنی ہوتا تھا۔ قرآنی موضوعات پر ان کی تقریریں ایسی دل نشین اور مؤثر ہوا کرتی تھیں کہ فوراً سامعین کے دل و دماغ میں سرایت کر جاتی تھیں' یہاں تک کہ انہیں ایک دفعہ سننے والا زندگی بھر کے

لئے' ان کے درسِ قرآن کا مستقل سامع بن جاتا۔" (اقتباس از ترجمہ پیش لفظ دولت پرویزؒ صفحہ1)

آغا شورش کاشمیری مرحوم ایڈیٹر ہفت روزہ چٹان' ایک معروف و مشہور دانش ور صحافی تھے مرزائیت کے خلاف تحریک کے دوران انہوں نے اپنے دفتر اور تمام تر وسائل' اس تحریک کے لئے وقف کر دیئے تھے۔ وہ ایک نڈر' بے باک اور دیانت دار صحافی تھے۔ اسلام کی خدمت میں ہمیشہ پیش پیش رہے۔ انہوں نے جب پرویزؒ صاحب کی کتاب "شاہکارِ رسالت" کا مطالعہ شروع کیا تو سب سے پہلے اس کا آخری باب "شعلۂ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد" پڑھا۔ صرف اس باب کے مطالعہ کے بعد انہوں نے جو تبصرہ اپنے اخبار چٹان میں لکھا' قارئین کے پیش نظر ہے۔

شاہکارِ رسالتؐ

(ایک معرکہ آراء تصنیف)

عجمی تخیلات ـــــــ علامہ اقبالؒ اور غلام احمد پرویز

(آغا شورش کاشمیری)

علامہ اقبالؒ نے تشکیل جدید الٰہیات کے پانچویں خطبہ میں فرمایا تھا:-

"اگر قوم کے زوال و انحطاط کو روکنا ہے تو اس کا یہ طریق نہیں کہ ہم گذشتہ تاریخ کو بے جا احترام کی نظر سے دیکھنے لگیں یا اس کا احیاء خود ساختہ ذرائع سے کریں۔"

چوہدری محمد احسن کے نام حضرت علامہ نے اپنے ایک خط میں لکھا (ملاحظہ ہو اقبال نامہ) کہ:

"میرے نزدیک مہدیت و مسیحیت کے متعلق جو احادیث ہیں' وہ ایرانی و عجمی تخیلات کا نتیجہ ہیں۔ ان کا عربی تخیلات او قرآن کی صحیح سپرٹ سے کوئی سروکار نہیں"

ایک دوسرے خط میں جو مولوی سراج دین کے نام ہے علامہ فرماتے ہیں:

"ہندوستان کے مسلمان کئی صدیوں سے ایرانی تاثرات کے اثر میں ہیں۔ ان کو عربی اسلام' اس کے نصب العین اور اس کی غرض و غایت سے آشنائی نہیں" (انوار اقبال مرتبہ بشیر احمد ڈار (ص 193192)

ڈاکٹر سید یامین ہاشمی کے نام علامہ کا ایک خط ہے' فرماتے ہیں:

"میری رائے میں عجمیت ایشیا کے مسلمانوں کی تباہی کا باعث ہوئی ہے۔ اس باطل کے خلاف جہاد کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ عجمیت کا اثر مذہب' لٹریچر اور عام زندگی پر غالب ہے"۔

محمد دین فوق کے نام ایک خط میں لکھتے ہیں کہ:

"عربی اسلام ہندوستان میں ایک فراموش شدہ چیز ہے" (انوار اقبالؒ صفحہ 66)

ارمغان حجاز کا وہ مصرعہ۔

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ

اقبال کے اس شدید تاریخی احساس ہی کا نتیجہ تھا۔

محولا بالا اشارات (اقتباسات) کا اقتضاء تھا کہ دانشورانِ اقبال اس موضوع پر قلم اٹھاتے اور اسلامیات کی تاریخ میں عجمی اثرات کا جائزہ لیتے' لیکن کسی اقبالی نے اس پر غور نہیں کیا' نہ اس طرف توجہ کی اور نہ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے راستہ کی اس سب سے بڑی روک کو دور کیا ---- اغلب خیال ہے کہ وہ اس کے اہل ہی نہ تھے اور ایک دوسرا خیال یہ بھی ہے کہ ان کی رو پہلی اور طلائی مصلحتوں میں اس کا حوصلہ نہ ہی تھا۔

دو روز پہلے مولانا تاج محمود (لائل پور) کی معیت میں ایک فاضل دوست سے ملاقات ہوئی تو وہاں دورانِ گفتگو اسلامیات میں عجمی اثرات کا ذکر آ گیا۔ اس دوست نے جناب غلام احمد پرویز کی تازہ کتاب شاہکارِ رسالتؐ (عمر فاروقؓ) کا ذکر کیا کہ اس کا مطالعہ ہر علم دوست کا فرض ہے۔ اقبالؒ نے جس عجمی سازش کو خطوط و خطبات میں اشارۃً بیان کیا ہے 'شاہکار رسالتؐ' اس کا تفصیلی مرقع ہے۔ بڑے سائز کے 568 صفحات کی اس کتاب میں چودھواں باب بہ عنوان "شعلۂ عشق سیاہ پوش ہوا تیرے بعد" کے تقریباً سو صفحات عجمی سازش کی تفصیلات سے متعلق کئی ہزار تاریخی صفحات کا نچوڑ ہیں۔ اس جامع باب کو ایک جامع کتاب کی خصوصیت حاصل ہے۔ ہر ضمنی عنوان کے تحت اس کی تفصیل موجود ہے' کوئی سی تشنگی باقی نہیں رہتی۔ اگر کوئی سوال ذہن میں اُبھرتا ہے تو اس کا جواب انہی مباحث میں نکل آتا ہے۔ حتیٰ کہ مطالعاتی طبیعت بھی کوئی نہ کوئی نیا نکتہ حاصل کر پاتی ہے۔

جہاں تک پوری کتب کا تعلق ہے' راقم نے ابھی تک اس کا مطالعہ نہیں کیا۔ صرف چودھواں باب ہی بالاستیعاب پڑھا ہے۔ ظاہر ہے کامل مطالعہ کے بعد ہی پوری کتاب پر نقد و نظر کا حق ادا ہو سکتا ہے۔ لیکن چودھویں باب کے مطالعہ سے فارغ ہو کر راقم نے محسوس کیا کہ:

(1) پرویز نے عجم سے متعلق اقبالؒ کی ذہنی تگ و دو کو اپنے قلم کی معرفت حقائق و معارف کے تاریخی سانچہ میں ڈھالا اور اندھیروں کو اُجالوں سے متعارف کیا ہے۔

(2) کتاب کے متعلق جیسا کہ عرض کیا قبل از مطالعہ رائے دینا مشکل ہے۔ انشاء اللہ یہ فرض بھی جلد ادا ہو گا۔ لیکن چودھواں باب تاریخ اسلام کی سیاسی و علمی مصائب کی ایک تجزیاتی کہانی اور فی الجملہ عجم کے ہاتھوں اسلام پر کیا گزری کی رُوداد ہے۔

(3) ہو سکتا ہے کسی دائرے میں یا کسی پہلو سے بعض اکابر علماء اور محقق فضلاء کو اساسی یا جزوی اختلاف ہو' لیکن راقم نے پرویز سے متعلق اپنے مستعار نظریے میں' جو علمائے کرام کے فتوے کی بدولت ذہن پر نقش تھا' ایک خوشگوار تبدیلی محسوس کی۔ فی الجملہ پرویز اپنی سیاسی شدتوں اور شخصی عصبیتوں کے باوجود اسلام کے تاریخی ذہن سے اسلام کی نشاۃ ثانیہ پر سوچتے ہیں۔ ان کے دل میں سرگزشت اسلام کی

ویرانیوں پر شدید ہلچل ہے۔ اور وہ مسلمانوں کی نئی پود کے ذہنی اضطراب کو دُور کرنے کے لیے عصری افکار کے لہجہ میں اسلام کی اساس پر ان سے ہمکلام ہوتے ہیں۔

(4) محولا باب کے مباحث ذیل کے عنوانوں پر ہیں۔ مثلاً"

مسلمانوں کی طاقت کا راز کیا تھا؟ مسلمانوں سے قرآن چھڑا دینے کی باطنی تحریک کا آغاز اور اس کے نتائج، ایران و روما کی فتوحات اور ان کا فرق۔ یزدگرد کے دستہ خاص کا قبول اسلام۔ فتح قادسیہ کے بعد ایرانی ردِعمل، کوفہ و بصرہ میں ایرانیوں کی آباد کاری۔ عجمی سازش کے دو نمایاں محاذ۔ روایات کا طلسم خانہ۔ مسئلہ خلافت، حق وراثت کے سیاسی مضمرات، اہل ایران کا اپنے شہنشاہوں سے متعلق عقیدہ، عبد اللہ بن سبا۔ رجعت کا عقیدہ۔ امامت کا منصوص تصور۔ کفر و ایمان کا خطِ امتیاز۔ مستند شیعی رویات۔ حضرات سلمانؓ فارسی۔ بنی اُمیّہ اور بنو عبّاس کی رقابتیں۔ سادات و علوی۔ ابو مسلم خراسانی۔ برامکہ۔ فاطمیین مصر۔ دیلمی حکومت۔ بغداد کا شیعی دور۔ عباسی سلطنت کا خاتمہ۔ ایرانیوں نے کتنی مدت بعد جنگ قادسیہ کا انتقام لیا۔ اسلام کی اساسات۔ مختلف فرقے۔ اور ان کے ساختہ پرداختہ نظریے۔ محرف قرآن۔ باطنی معنی۔ محدث کا عقیدہ۔ کاشانۂ نبوت پر ذہنی آتشباری۔ جامعین حدیث۔ سنّیوں کے عقائد پر عجمی اثرات۔ جمع قرآن سے متعلق شکوک و شبہات۔ ناسخ و منسوخ کا عقیدہ۔ حدیث کا مقام۔ ابن جریر طبری کون تھے؟ طبری کی تاریخ۔ اسلام دین نہ رہا مذہب ہو گیا۔ آیۂ استخلاف کا مفہوم بدل گیا۔ مذہب و سیاست میں ثنویت، قانون سازی کے امکان کا خاتمہ۔ نظامِ سرمایہ داری کا احیا۔ تقدیر کا عقیدہ۔ تقدیر سے متعلق روایات۔ تصوف کی حقیقت۔ ابن عربی۔ اساساتِ تصوف۔ باطنی علم کی سند۔ جہاد کے خلاف عجمی یلغار (افکارِ اقبال کی روشنی میں) میرزا غلام احمد کا دعویٰ، ایرانی سازش کا ملخص اور ان عوارض و امراض کا علاج جو مسلمانوں کے وجود کو اجتماعی طور پر لاحق ہو چکے ہیں۔

اس کے علاوہ بھی کئی ایک عنوان ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ انسان ان کے مطالعہ سے علم و تاریخ کی صداقتوں سے متمتع ہوتا ہے۔

(5) پرویز صاحب سے متعلق دینی حلقوں میں تسلسل و تواتر سے یہ فضاء قائم رہی ہے کہ وہ منکر حدیث ہیں۔ لیکن انہوں نے جن شگفتہ الفاظ میں اپنے عقیدہ کی صراحت کی ہے اس کے بعد معاملہ صاف ہو جاتا ہے۔

راقم استفساراً" علماء سے یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہے کہ حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ نے چھ لاکھ احادیث جمع کیں اور کانٹ چھانٹ کے بعد صرف 6762 باقی رکھیں۔ امام مسلم رحمتہ اللہ علیہ نے تین لاکھ مدون کیں اور باقی 4348 رہنے دیں۔ امام ترمذی رحمتہ اللہ علیہ نے پانچ لاکھ فراہم کیں اور 4800 کو احاطۂ تحریر میں لائے۔ ابنِ ماجہ رحمتہ اللہ علیہ نے چار لاکھ کا ذخیرہ کیا اور کتاب میں چار ہزار نقل کیں۔ امام نسائیؒ نے دو لاکھ کے خزانہ میں سے 4321 کو اپنے مجموعہ میں درج کیا۔ لیکن پرویز کی چھاڑ اس الزام میں

کرنا کہ ..... وہ احادیث کو تسلیم نہیں کرتے' اس کی بنیاد کیا ہے؟ پرویز ان احادیث کو واقعی تسلیم نہیں کرتے جو قرآنِ پاک کی تعلیمات کے خلاف ہیں اور جنہیں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے کوئی سی نسبت ہی نہیں۔ ایسی احادیث خلافتِ راشدہ کے بعد بعض ملوکانہ مصلحتوں کے تحت وضع کی گئیں یا عجمی سازش نے اپنے سانچوں میں ڈھال کے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب کیا۔ ایک مبحث یا مسئلے کو جو تاریخ اسلام کا عصری مضمون ہے اور نئی پود کے دماغ اس سے دوچار ہیں' واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مقتدر علماء اپنی یلغار سے اس کو ٹال نہیں سکتے۔ اور نہ یہ مسئلہ یا مبحث کفر و اسلام سے متعلق ہے۔ نئی پود کی سوچ کیا ہے' پرویز نے اسی کی نمائندگی کی اور اپنی ذہنی جدوجہد سے اسلام کے دامن سے عجمی گرد جھاڑی ہے۔ بعض طبیعتوں کو شاید یہ گوارا نہیں لیکن علم کو غصہ سے روکنا کسی حالت میں جائز نہیں۔

(6) پرویز صاحب نے اسی باب میں اپنے عقیدے کی وضاحت کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

"میں نہ سنّی ہوں نہ شیعہ' میرا تعلق کسی بھی فرقہ سے نہیں۔ قرآنِ کریم کا طالب علم ہوں اور میرا عقیدہ بلکہ ایمان یہ ہے کہ خدا کی یہ کتابِ عظیم دین میں سند و حجّت ہے اور حق و باطل کے پرکھنے کا واحد معیار۔ کوئی عقیدہ' نظریہ' تصوّر' مسلک' مشرب جو اس کے خلاف جاتا ہو' میرے نزدیک درست نہیں' خواہ اس کی نسبت کسی کی طرف بھی کیوں نہ کی گئی ہو۔ اگر اس قسم کا کوئی عقیدہ بزرگانِ سلف میں سے کسی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے' خواہ ان کا تعلق کسی فرقے سے ہو' تو ان حضرات کے احترام کے پیشِ نظر میں یہی کہتا ہوں کہ ان کی طرف اس کی نسبت صحیح معلوم نہیں ہوتی' انہوں نے ایسا نہیں کہا ہو گا۔ (صفحہ 499) ان الفاظ کے بعد پرویزؒ کی شرعی چھٹاڑ لائق اعتنا نہیں رہتی۔ ایک مسلمان کے لئے قرآن کے مقابلہ میں کسی بڑی سے بڑی شخصیت کا مختلف المعنی قول حجّت نہیں ہے بلکہ اس سے اباء ہر مسلمان کا فرض ہے۔

شاہکارِ رسالت مضمون و موضوع کی عمدگی کے علاوہ کتابت و طباعت کے اعتبار سے بھی ایک اعلیٰ کتاب ہے۔ اس کا مطالعہ نظر و فکر کی بہت سی راہیں کشادہ کرتا اور اسلام کے مثالی نظامِ ریاست کا جیتا جاگتا مرقع ہے۔ علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں کہ عمر بھر وہ اس کی آرزو کرتے رہے' اس کتاب کو مسلمانوں کی ذہنی سوانح عمری کہا جائے تو صحیح ہو گا!۔

اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف میں

پرویزؒ صاحب سے ہمیں خود کئی دوائر میں اختلاف ہے لیکن اس کتاب کے مطالعہ سے ہمارے ذہن میں ان کے لیے احترام کی ایک خاص فضا پیدا ہو گئی ہے۔ اقبالؒ عجم کے متعلق جو چاہتے تھے شاہکارِ رسالت ان کی اس خواہش کا علمی مرقع اور تاریخی شہ پارہ ہے۔

پرویز صاحب کے خلاف فتوی واپس لیجئے:۔ ایڈیٹر چٹان کو آج تک جناب غلام احمد پرویز سے ذاتی نیاز

حاصل نہیں ہو سکا۔ کبھی ان سے بالمشافہ ملاقات نہیں ہوئی۔ لیکن ان کی عظیم کتاب شاہکار رسالت" پڑھنے کے بعد ایڈیٹر چٹان کو یقین ہو چکا ہے کہ اپنی اس کتاب کی بدولت پرویز بارگاہ رسالت میں سرخرو ہو کر باریاب ہوں گے اور یہ کتاب ان کے لیے توشۂ آخرت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ ان فضلائے کے ساتھ انہیں جگہ دیں گے جن کے دل اسلام کے لیے ہر دور میں دھڑکتے رہے ہیں۔

غلطیاں ہر انسان سے ہوتی ہیں۔ ہو سکتا ہے صلحائے امت کے نزدیک کسی مقام پر ان کے قلم کو ٹھوکر لگی ہو۔ آخر وہ ایک انسان ہیں لیکن ان کے سچا مسلمان ہونے میں کوئی شک نہیں۔ وہ قرآنی فکر کی ایک فاضل شخصیت ہیں۔ علماء سے دردمندانہ گذارش ہے کہ وہ محض فروعات کا شکار نہ ہوں۔ شاہکار رسالت" کا مطالعہ کریں اور ضرور کریں۔ ان کی بلند فکر کے نزدیک پرویز صاحب سے کبھی تفقہ فی الدین میں کوئی چوک ہوئی ہے تو انہیں محبت سے مطلع کریں تاکہ ایک سچا دل اپنی کوتاہی کا جائزہ لے سکے۔ حقیقت یہ ہے کہ پرویز بھی افکار اسلام کی کربلا میں حسینی قافلہ کی ایک آواز ہیں۔ علماء کو ان سے متعلق اپنا فتویٰ واپس لینا چاہئے۔

(ہفتہ روزہ چٹان موخہ 74-5-13 بحوالہ مقام ماہنامہ طلوع اسلام جون 1974ء)

یہ تھے پرویز" صاحب اور یہ تھی ان کی دعوت۔ ہر دور میں قرآن کریم کی طرف دعوت دینے والوں کے ساتھ یہی کچھ ہوتا رہا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں سرسید احمد خان" نے "رجعت الی القرآن" کی دعوت دی تو ان کے خلاف فتووں کی بھرمار کر دی گئی' لیکن آج تاریخ کا فیصلہ ہے کہ وہ ہندوستان میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے اولین نقیب تھے اور فتویٰ دینے والوں کو اگر کوئی جانتا ہے تو سرسید احمد خان کے حوالہ سے۔ اسی طرح حضرت علامہ اقبال" نے جب یہ کہا کہ

گر توی خواہی مسلماں زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

اور "شکوہ" لکھا تو ان کے خلاف بھی ایک طوفان کھڑا کر دیا گیا اور تکفیر و تلقین کے فتووں سے ان کے قلب حساس کو چھلنی کیا گیا' لیکن آج وہی اقبال" حکیم الامت اور قرآن کے فلسفی کی حیثیت سے تسلیم کئے جاتے ہیں۔ آج کسی واعظ اور کسی خطیب کی بات نہیں بنتی جب تک وہ اپنے وعظ اور خطبے میں اقبال" کے اشعار کا سہارا نہ لے۔

اب اگر ایک اتنی ہی قد آور شخصیت اور قرآن کریم کے مفکر کے خلاف یہ بونے اس قسم کی حرکتیں کرتے ہیں تو کیا عجب ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ اللہ وہ ہے جس نے اپنا رسول' ہدایت اور حق پر مبنی نظام زندگی دے کر بھیجا ہی اس لئے ہے کہ وہ تمام دنیا کے نظام ہائے زندگی پر غالب آجائے چاہے یہ بات مشرکین (یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کے احکامات لانے والوں) کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گذرے"۔(9/33-9) تو کیا ان لوگوں کے دبانے سے قرآن کی آواز دب جائے گی؟ ہرگز نہیں۔ اس کا دین غالب آکر رہے گا چاہے یہ جو جی میں آئے کر کے دیکھ لیں۔ اس جہان نے اس نور کے صدقے جسے خالق کائنات نے اپنے آخری رسول حضرت محمد مصطفےٰ کے ذریعے انسانوں کو دیا ہے' ایک دن چمک اٹھنا ہے

واشرقت الارض بنور ربها و وضع الكتب وجائے بالنبين والشهداء وقضى بينهم بالحق و هم لايظلمون

(39/69)

اور اس نظام کی طرف بلانے والے ہمیشہ سرفراز و سربلند رہے ہیں اور رہیں گے۔

❁❁❁

قرآن کا پیغام جہاں تک پہنچے

(بھارت سے منتظمین طلوع اسلام کے نام ایک طویل خط کی تلخیص۔ مدیر)

ہمارے ہاں بھارت میں شاید ہی کوئی ادارہ ہو گا جہاں سے مسلمانوں کو قرآنی راہنمائی میسر آ سکے۔ مذہب کے نام پر مسلمانوں کے ذہنوں میں ہر سُو مُلّا سوار ہے۔ اس نے جو کہہ دیا' وہی دین ہے۔ تحقیق و جستجو کے لئے نہ اُردو کتب دستیاب ہیں نہ درسگاہیں۔ دینی کتب کے مطالعہ کا شوق لاہور (پاکستان) میں طلوعِ اسلام کے مرکز تک کھینچ لایا۔ یہاں پہنچا تو خلافِ توقع واسطہ نوجوانوں سے پڑا۔ حسین و جمیل دفتر' خوش اخلاق عملہ۔ ماحول اسقدر خوشگوار کہ خواتین بھی مکمل اعتماد اور آزادی سے آ جا رہی ہیں۔ یہ جان کر مزید خوشی ہوئی کہ اس دینی تحریک کے شعبۂ نشر و اشاعت کی سربراہ ایک خاتون ہیں۔

قرآنی تعلیمات سے متعلق کتب کا بہت بڑا ذخیرہ اور ایک جامع لائبریری دیکھ کر جو مسرت ہونا تھی وہ تو تھی ہی لیکن عملے کا حسنِ سلوک اور طرزِ استدلال دیکھ کر زندگی میں پہلی دفعہ یہ احساس ہوا کہ قرآن کی بارگاہ مذہب کی دنیا سے کسقدر مختلف ہوتی ہے۔ یہ دیکھ کر حیرت مزید ہوئی کہ فکر و نظر میں اختلاف کے باوجود اس مرکز میں دوسروں کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ دورانِ قیام میں نے جس کسی کا بھی نام لیا کارکنانِ تحریک نے انتہائی خوش دلی کے ساتھ اس سے میری ملاقات کا اہتمام کیا۔ میرے نزدیک یہ بہت بڑی بات ہے کیونکہ مذہب پرست طبقہ میں اس قسم کے جذبات بہت کم نظر آتے ہیں۔

جناب احمد حسین قیصرانی اور محمد لطیف چوہدری صاحب کے علاوہ میری ملاقات جناب محمد عمر دراز' ڈاکٹر زاہدہ درانی اور پروفیسر شمیم انور صاحبہ سے بھی ہوئی۔ میں نے سب حضرات کو انتہائی زیرک' سنجیدہ اور خلیق پایا۔ اللہ ان سب کو سلامت رکھے اور قرآنی تعلیمات کے اس مرکز کو ہمیشہ ہمیشہ آباد رکھے۔

خیر اندیش

شمشاد علی خان ایڈووکیٹ
نشاط روڈ۔ ابراہیم آباد
سہارنپور۔ انڈیا۔ 247001

بہت کم لوگ جانتے ہیں کہ

علامہ پرویزؒ تحریک حصول پاکستان کے دوران، حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ کے تحریک پاکستان کی دینی اساس سے متعلق ذاتی مشیر کی حیثیت سے کام کرتے رہے ہیں۔ 1938ء میں مجلّہ طلوع اسلام کا از سرِنو اِجراء حضرت علامہ اقبالؒ کی ایماء اور حضرت قائداعظمؒ کے ارشاد پر بایں غرض عمل میں لایا گیا تاکہ قوم کو بتایا جائے کہ اللہ اور اس کو رسول کے ارشادات کے مطابق اس مجوزہ مملکت پاکستان کی اہمیت کیا ہے۔ علامہ پرویزؒ نے یہ فریضہ اس حسن و عمدگی سے نبھایا اور نیشنلسٹ علماء کے مخالف پاکستان پراپیگنڈا کا اس خوبی سے تدارک کیا کہ حصول پاکستان میں قائداعظمؒ اور ان کے رفقاء کی کوششوں کو بارگاہ ایزدی سے شرفِ قبولیت حاصل ہوا اور مملکتِ پاکستان 14 اگست 1947ء کو معرض وجود میں آگیا۔ پرویز صاحب کی ان مساعی کی تفاصیل مجلّہ طلوع اسلام کے اس زمانہ کے فائلوں میں محفوظ تھی اور بالعموم عوام کی نگاہوں سے اوجھل! اب اسے ایک مستقل کتاب

تحریک پاکستان اور پرویز

کی شکل میں شائع کر دیا گیا ہے۔

قیمت (علاوہ ڈاک، پیکنگ خرچ)

اعلیٰ ایڈیشن — 300

سٹوڈنٹ ایڈیشن — 150

مینیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علامہ غلام احمد پرویزؒ

روزوں کا مقصد

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ (2/183) "اے جماعت مومنین! تم پر صیام فرض قرار دیئے گئے ہیں۔" یہ "کتاب" یعنی حکم ہے۔ اس کی غایت کے متعلق کہا:۔

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (2/183) لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (2/185) اور وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (2/185)

تتقون سے مراد یہ ہے کہ تم میں قوانین خداوندی کی اطاعت کیلئے پختگی پیدا ہو جائے اور تم غلط راہوں پر چلنے کے نقصانات سے محفوظ ہو جاؤ۔ تشکرون سے مقصود یہ ہے کہ تمہاری محنتیں بھرپور نتائج پیدا کر دیں۔ میں ان دو غایات کے متعلق سردست تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔ قرآن کریم نے جو غایت الغایات بتائی ہے اس پر مرکوز ہوں گا۔ اور وہ غایت الغایات یہ ہے کہ تم خدا کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل کرنے سے اس قابل ہو جاؤ گے کہ دنیا میں خدا کی کبریائی قائم کر سکو۔ یہ ہے روزوں کے متعلق حکم خداوندی کا مقصود و منتہیٰ۔ یعنی خدا کی کبریائی قائم کرنے کے قابل ہو جانا:۔

لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

سب سے پہلے لفظ "کبریائی" کو لیجئے۔ اس کے معنی حکومت اور اقتدار کے ہیں۔ سورہ یونس میں ہے کہ جب حضرت موسیٰؑ اور ان کے بھائی حضرت ہارونؑ، فرعون کے پاس گئے اور اس تک خدا کا پیغام پہنچایا تو اہلِ فرعون نے کہا کہ تم جو کچھ کہہ رہے ہو ہم اس کی غرض و غایت کو خوب پہچانتے ہیں۔ یعنی یہ کہ تَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِى الْاَرْضِ (10/78) "تمہارا مقصد یہ ہے کہ اس ملک میں حکومت تمہاری قائم ہو جائے۔ اقتدار تمہارے ہاتھ میں آ جائے۔" اس سے لفظ "کبریائی" کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔

❁ ❁ ❁

جہاں تک خارجی کائنات کا تعلق ہے اس میں خدا کا اقتدار اور اس کی حکمرانی براہ راست قائم ہے۔ تمام کارگہِ کائنات اسی کے قوانین کے مطابق سرگرمِ عمل ہے اور اس میں کسی شے کو مجالِ انحراف نہیں، یا رائے سرکشی نہیں وَلَهُ الْكِبْرِيَآءُ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (45/37) "یہ کائنات کی پستیوں اور بلندیوں میں کبریائی خدا کی ہے۔ وہ زبردست، غلبہ کامالک ہے۔ لیکن اس کا غلبہ مستبد حکمرانوں کا غلبہ نہیں۔ وہ سراسر حکمت پر مبنی ہے۔" دوسری جگہ ہے : وَهُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِى الْاَرْضِ اِلٰهٌ (43/84) "وہی آسمانوں میں بھی صاحب اقتدار ہے اور وہی ارض پر بھی صاحب اقتدار"۔ (اِلٰہ کے معنی صاحب اقتدار کے ہیں)۔

خارجی کائنات میں تو خدا کا اقتدار از خود قائم ہے۔ لیکن اس کی مشیت کا پروگرام یہ ہے کہ انسانوں کی دنیا میں اس کی کبریائی ازخود نہیں بلکہ

انسانوں کے ہاتھوں قائم ہو۔ اسی مقصد کے لئے رسول بھیجے جاتے تھے اور رسول کے بعد اِس کی ذمّہ داری اُس کی اُمّت پر عائد ہوتی تھی۔ چنانچہ جب نبیٔ اکرمؐ کو منصبِ نبوت پر سرفراز فرمایا گیا تو آپ کو حکم دیا گیا کہ **يٰٓاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ** "اے وہ کہ جس کی آمد سے خزاں دیدہ گلشنِ کائنات بہارِ نو کا مظہر بن جائے گا۔ (المدثر کے یہی معنی ہیں) **قُمْ فَاَنْذِرْ** "اُٹھ اور نوعِ انسان کو اُن کے اپنے وضع کردہ نظام ہائے حیات کی تباہ کاریوں سے آگاہ کر دے :" **وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ** (84/1-2) "اور ان نظاموں کی جگہ اس نظام کو قائم کر جس میں کبریائی صرف خدا کے لئے ہو" ---------- یہ تھا منصبِ رسالت۔

دوسرے مقام پر اسی حقیقت کو جن الفاظ میں بیان کیا گیا ہے ان کی تفصیل بڑی وسعت چاہتی ہے۔ لیکن میں اُن میں سے صرف دو ٹکڑوں کو نمایاں طور پر سامنے لاؤں گا۔ **وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ** "حکومت صرف اسی کے لئے مختص ہے۔ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔" اور اس سے آگے ہے **وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا** (17/111) "لہٰذا تم اس کی کبریائی قائم کرو۔" اسی اعتبار سے خدا نے اپنے آپ کو ایک جگہ **المتکبر** (59/23) کہا ہے۔ کہیں **الکبیر المتعال** (13/9) اور کہیں **العلی الکبیر** (22/26) ہماری دنیا میں وہ **العلی الکبیر** کیسے قرار پاتا ہے اس کی وضاحت اس نے یہ کہہ کر دی کہ **فَالْحُكْمُ لِلّٰهِ الْعَلِيِّ الْكَبِيْرِ** (40/12) تمہاری دنیا میں حکم صرف اس خدا کا چلنا چاہئے جو ہر قسم کے غلبہ اور کبریائی کا مالک ہے۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا نہ تو ہمارے سامنے آتا ہے۔ نہ وہ تختِ حکومت پر بیٹھتا ہے۔ نہ ہم اُس کی آواز سنتے ہیں۔ تو ہمارے معاشرے میں اُس کی حکومت کیسے قائم ہو گی؟ اس کے لئے اس نے خود ہی بتا دیا کہ ---------- اس نے ہماری طرف اپنا ضابطۂ احکام بھیج دیا ہے۔ جو حکومت اُس ضابطہ کے مطابق قائم ہو گی اُسے خدا کی حکومت سے تعبیر کیا جائے گا۔ چنانچہ اس نے واضح الفاظ میں بتا دیا کہ

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ (5/44)

جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے ان ہی کو کافر کہا جاتا ہے۔

❁ ❁ ❁

لیکن خدا کی یہ کبریائی یونہی بیٹھے بٹھائے' وعظ و نصیحت یا تقاریر و خطابات سے قائم نہیں ہو جاتی۔ جب اس کا مقصد دنیا کے ہر نظام کو اُلٹ کر اس کی جگہ نظامِ خداوندی کو متمکّن کرنا ہے تو ظاہر ہے کہ دنیا کی ہر قوم اور ہر حکومت کی طرف سے اس کی مخالفت ہو گی اور ہر مفاد پرست گروہ اس کی مزاحمت کرے گا ----- ان مخالفتوں اور مزاحمتوں کے مقابلے کے لئے میدانِ جنگ تک میں بھی جانا پڑے گا۔ چنانچہ قرآنِ کریم میں جماعتِ مومنین کی ان جنگوں کی غایت یہ بتائی گئی ہے :-

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا (9/40)

اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر غیر خداوندی نظام مغلوب ہو جائے اور خدا کا نظام جسے غالب ہونے کا حق حاصل ہے' عملاً" مسلط ہو جائے۔

اس سے چند ہی آیات پہلے کہا گیا ہے:۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ (9/33)

خدا وہ ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ضابطۂ ہدایت اور حق پر مبنی نظام دے کر بھیجا تاکہ یہ نظام انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب آ جائے۔ خواہ یہ تبدیلی ان لوگوں پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے جو خالص حکومتِ خداوندی قائم نہیں کرنا چاہتے۔

یہاں صرف اتنا کہا گیا ہے کہ اس نے رسولؐ کو اس مقصد کے لئے بھیجا۔ لیکن دیگر مقامات پر اس کی وضاحت کر دی کہ نظامِ خداوندی کا قیام تنہا رسولؐ کے ہاتھوں سے عمل میں نہیں آئے گا۔ اس کے لئے جماعتِ مومنین کی معاونت و رفاقت بھی ضروری ہو گی یعنی یہ فریضہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ (29/48) کے ہاتھوں سرانجام پائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے الاعلیٰ اپنے آپ کو کہا تھا۔ لیکن جس جماعتِ مومنین کے ہاتھوں اس کی کبریائی دنیا میں قائم ہوتی ہے۔ اس نے انہیں اَلْاَعْلَوْنَ کہہ کر پکارا ہے۔ چنانچہ اس نے فرمایا: وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (3/138) "اگر تم مومن ہو اور مومن رہو گے تو دنیا میں تم ہی سب پر غالب رہو گے۔" تمہارا قائم کردہ نظام انسانوں کے ہر خود ساختہ نظام پر غالب آ جائے گا۔ اس غلبہ و تسلط کے لئے قرآنِ کریم نے ان کنتم مومنین کی شرط عائد کر دی ہے۔ "یعنی اگر تم مومن ہوئے تو۔" یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو کہ ہم مومن ہیں یا نہیں؟ اس کے لئے قرآن نے خود یہ واضح کر دیا کہ جو لوگ خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم نہیں کرتے وہ مومن نہیں' کافر ہیں۔ لہٰذا مومن وہ ہیں جو خدا کی کتاب کے مطابق حکومت قائم کرتے ہیں۔ اور اس کی محسوس نشانی یہ ہے کہ وہ دنیا کی ہر قوم پر غالب رہتے ہیں۔ چنانچہ اس نے واضح طور پر کہہ دیا کہ

وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (4/141)

خدا کبھی ایسا نہیں ہونے دے گا کہ غیر خداوندی نظام کی حامل قوم کو جماعتِ مومنین پر غالب آنے دے۔

لہٰذا یہ متعیّن کرنا بالکل آسان ہو گیا کہ ہم مومن ہیں یا نہیں؟

یہاں ایک عظیم نکتہ سامنے آتا ہے۔ خدا مومنین سے کہتا ہے کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ۔ لیکن مومنین کی عطا کردہ اس سرفرازی کے جذبۂ تشکر کے احساس سے بے ساختہ اپنا سر زمین پر رکھ دیتا ہے اور انتہائی انکساری اور خاکساری کے عالم میں کہتا ہے کہ اَلْاَعْلٰی میں نہیں سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی ---- اَلْاَعْلٰی کے شایانِ شان صرف تیری ذات ہے۔ یہ تو تیری عاجز نوازیاں ہیں۔ جو ہمیں الاعلون کہہ کر پکارا گیا ہے۔ یہ علوّ مرتبت ہماری ذاتی نہیں' تیری عطا فرمودہ ہے۔ اگر ہمارا سر تیرے سامنے نہیں جھکتا تو یہ ساری کبریائی جو ہمیں حاصل ہوئی ہے فرعون کی قہرانیت ہے' مومن کی علوِّشان نہیں۔ اسی بناء پر قرآنِ کریم نے حق پر مبنی کبریائی اور باطل پر مبنی کبریائی میں فرق کر کے بتا دیا جب کہا:۔

سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيَ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ (7/146)

جو لوگ الحق کے بغیر زمین میں غلبہ اور کبریائی حاصل کر لیتے ہیں' ہم اپنے قوانین کی رُو سے انہیں اس مقام سے ہٹا دیں گے۔ اور ان کی جگہ وہ قوم لے لے گی جس کی کبریائی الحق پر مبنی ہو گی۔

❁ ❁ ❁

ان تصریحات سے واضح ہو گیا کہ روزوں کی غرض و غایت اور مقصود و منتہٰی کیا تھا؟ ان کا مقصد جماعتِ مومنین کو اس کے لئے تیار کرنا تھا کہ وہ دنیا میں خدا کی کبریائی متمکن کر سکیں۔ **لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ** صدر اول کی جماعتِ مومنین تیرہ برس تک مکہ کی زندگی گذارنے کے بعد مدینہ میں آئی تاکہ یہاں کی نسبتاً" مساعد فضا میں نظامِ خداوندی کی بنیاد رکھ دی جائے' لیکن مخالفین نے انہیں یہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا اور مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ یہ تھا وہ مقام جب پہلی مرتبہ (2 ھ میں) روزے فرض ہوئے' اور ابھی سترہ دن کے روزے ہی رکھے گئے تھے کہ انہیں بدر کے میدان میں اُترنا پڑا اور وہاں ان روزہ داروں نے خدا کی کبریائی کی پہلی اینٹ رکھ دی۔ آپ نے غور فرمایا کہ روزوں کی غایت کیا تھی؟ ------ **لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ**

- خدا کے پروگرام کے مطابق ملک میں اس کی کبریائی قائم کرنا۔ اس زمانے میں مستقل فوج (STANDING ARMY) ہنوز وجود میں نہیں آئی تھی۔ قرآنِ مجید نے تمام مومنین کو مجاہدین (فوج کے سپاہی) قرار دیا تھا۔ ایسا نظر آتا ہے کہ جس طرح آجکل مستقل فوج سے الگ ------- (RESERVISTS) ہوتے ہیں۔ وہ اپنا اپنا کاروبار کرتے رہتے ہیں لیکن انہیں سال میں ایک آدھ ماہ کے لئے بُلا لیا جاتا ہے تاکہ وہ فوجی ٹریننگ کی تجدید کر لیں اور بوقت ضرورت فوج کے ہمدوش میدانِ جنگ میں نبرد آزما ہوں۔ خدا کی کبریائی کا تمکن مومن مجاہدین کا فریضہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ رمضان کا مہینہ انہیں سپاہیانہ زندگی کا خُوگر بنانے کے لئے مختص کر دیا گیا تھا۔ حضور نبیٔ اکرمؐ سے جب سوال کیا گیا کہ مومن کی زندگی کیا ہے؟ تو فرمایا کہ جب جنگ ہو رہی ہو تو وہ میدان جنگ میں ہو اور جب جنگ نہ ہو رہی ہو تو وہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف ہو۔

آپ نے دیکھا کہ مومن کی زندگی کا مقصود و منتہٰی دنیا میں خدا کی کبریائی کو متمکن کرنا ہے اور یہی مقصد روزوں کا بتایا گیا ہے۔ اس کے لئے رمضان کے مہینے کی تخصیص کیوں کی گئی' اسے خود خدا نے یہ کہہ کر واضح کر دیا کہ۔ **شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ** (2/175) "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں نزولِ قرآن کی ابتداء ہوئی۔ قرآنِ کریم کو اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کے لئے نعمتِ عُظمیٰ قرار دیا ہے اور ان سے کہا ہے کہ تم ایسی عظیم متاع کے ملنے پر جشنِ مسرت مناؤ:

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَ بِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (10/58)

اے رسول! اُن سے کہہ دو کہ تمہیں یہ متاعِ گراں بہا بلا مُزدو معاوضہ مل گئی ہے۔ اس کے لئے تم جشن مناؤ۔ تم جو کچھ بھی دنیا میں جمع کرو' یہ اس سے زیادہ گراں قدر ہے۔

لہٰذا' جسے عید الفطر کہا جاتا ہے وہ درحقیقت جشنِ نزولِ قرآن ہے۔ قرآن' خدا کی کبریائی کا ضابطہ

ہدایت ہے اور رمضان کے مہینے کے روزے مجاہدین کو خدا کی کبریائی قائم کرنے اور مستحکم رکھنے کا پروگرام۔ اس پروگرام کے بخیر و خوبی انجام پانے پر جشنِ مسرت بالکل فطری عمل ہے۔

یہ تھا دین میں روزوں کا مقصد۔ یعنی **لِتُکَبِّرُوا اللّٰہَ عَلٰی مَاھَدٰکُمْ** تاکہ زمین پر خدا کی حکومت قائم کی جائے۔ لیکن جب دین' مذہب میں تبدیل ہو گیا تو قرآنِ کریم کے یہ الفاظ تو باقی رہ گئے۔ لیکن ان کی غرض و غایت بالکل بدل گئی۔ آپ قرآن کریم کا کوئی سا باترجمہ نسخہ اٹھا کر دیکھیں۔ اس میں ان آیات کا ترجمہ ان الفاظ میں ملے گا۔ "تاکہ تم خدا کی بڑائی بیان کرو۔" یعنی دین میں ان الفاظ کا مفہوم' خدا کی کبریائی قائم کرنا تھا۔ مذہب میں ان کا مطلب خدا کی بڑائی بیان کرنا رہ گیا۔ کبریائی قائم کرنے اور بڑائی بیان کرنے میں جو فرق ہے وہ واضح ہے۔ اس "بڑائی بیان کرنے" کے حکم کی اطاعت کے متعلق کہا گیا کہ نمازِ عید میں جو چھ تکبیریں زائد کہی جاتی ہیں' ان سے اس حکم کی تعمیل ہو جاتی ہے۔ اذان۔ نماز اور عیدین کی تکبیریں اپنی اپنی جگہ بجا اور درست' لیکن یہ تکبیریں ایک بلند مقصد کے حصول کا ذریعہ' یا ایک واقعہ کا اعلان تھیں۔ یعنی اس واقعہ کا اعلان کہ یہاں خدا کی کبریائی قائم ہے۔ اس حقیقت کے وقوع پذیر ہوئے بغیر' اس قسم کے اعلانات صرف چند الفاظ کا اعادہ ہیں۔ حقیقت اور اُس کی رسمی ادائیگی کا یہی وہ فرق تھا جس کے احساس سے اقبالؒ کے درد مند دل نے باصد آہ و فغاں کہا تھا کہ ؎

الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
مُلّا کی اذاں اور ' مجاہد کی اذاں اور!
پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں
کرگس کا جہاں اور ہے' شاہیں کا جہاں اور

یہ مجاہد کی اذان تھی جو دن میں متعدد بار چھت اور مینارہ پر کھڑے ہو کر' دنیا میں اعلان کرتی تھی کہ

اللہ اکبر

کبیریائی صرف خدا کے لئے مختص ہے۔ اس میں کوئی اور شریک نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے بعد وہ اعلان کرتا تھا کہ

اشھد ان لا الہ الا اللہ

میرا یہ اعلان اس حقیقت کی شہادت دیتا ہے کہ خدا کے سوا کوئی صاحبِ اقتدار نہیں۔ آپ نے کبھی اس پر بھی غور فرمایا کہ اس اعلان میں یہ نہیں کہا گیا کہ میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں یا اعلان کرتا ہوں۔ کہا یہ گیا کہ میں اس حقیقت کی "شہادت دیتا ہوں۔" شہادت اسی کی قابلِ قبول ہوتی ہے۔ جسے اس بات کا ذاتی طور پر علم ہو۔ جو اس کا عینی شاہد ہو۔ اگر کوئی شخص عدالت میں جا کر یہ کہے کہ مجھے اس واقعہ کا ذاتی طور پر تو علم نہیں۔ میرا خیال ہے۔ یا میں نے ایسا سنا ہے تو اس کی شہادت کا قابلِ قبول ہونا تو درکنار' اسے درخورِ سماعت بھی نہیں سمجھا جاتا۔ لہٰذا **اشھدان لا الہ** اسی کا قابل قبول ہو گا جو یہ کہے کہ میں اس کا گواہ ہوں کہ یہاں خدا کے سوا کوئی صاحب اقتدار نہیں۔ یہاں خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں۔ یہاں حکمرانی صرف خدا کی ہے۔ جو اس حقیقت کا شاہد نہیں اسے **اشھدان لا الہ الا اللہ** کہنے کا حق حاصل نہیں۔ یہی وہ شہادت ہے جس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ نے فرما دیا کہ **شھد اللہ انہ لا الہ الاھو** "خدا اس کی شہادت دیتا ہے کہ اس کے سوا کوئی صاحب اقتدار نہیں ہے۔ **والملئکۃ** اور **ملائکہ** جو اس کے اس اقتدار کو

بروئے کار لانے کے لئے مامور ہیں وہ بھی اس کی شہادت دیتے ہیں۔" انہیں بھی اس کا حق حاصل ہے کہ وہ بھی اس کی شہادت دیں' کیونکہ وہ اس کے عینی شاہد ہیں۔ اس کے بعد ہے **و اولوا لعلم قائما بالقسط** ان کے علاوہ وہ لوگ بھی اس کی شہادت دے سکتے ہیں جنہیں اس کا علم بھی حاصل ہے اور پھر وہ ایسا نظام متشکل کئے ہوئے ہیں جس میں خدا کی میزان عدل قائم ہے۔" یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے ذاتی علم اور مشاہدہ کی بناء پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ **لا الہ الاھو العزیز العلیم** (3/17) "خدا کے سوا کوئی صاحب اقتدار نہیں اور اس کا اقتدار تنہا قوت پر نہیں' بلکہ قوت کے ساتھ حکمت پر مبنی ہے۔"

آپ نے غور فرمایا کہ ---------- قرآن کریم کی رو سے اللہ اکبر کہنے کا حق کسے حاصل ہے؟ رمضان کے روزے جماعت مومنین کو اس قابل بنا دینے کے لئے تھے کہ وہ ملک میں خدا کی کبریائی قائم کریں اور پھر ساری دنیا کے سامنے اس کی شہادت دے سکیں۔

یہ ہے عزیزان من' میری قرآنی بصیرت کے مطابق صیام کی غرض و غایت اور رمضان کا مقصود و منتہی۔ **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم**

والسلام

سلسبیل

ایک معرکہ آراء تصنیف

قرآنی فکر کا چشمۂ رواں۔ فرقانی بصیرت کی جوئے شیر
قرآنِ کریم کی حیات بخش تعلیم۔ علامہ پرویزؒ کا حسین انداز بیاں

فہرست عنوانات حسب ذیل ہے

عبادت	قرآن کے باطنی معانی
نظریہ ارتقاء اور قرآن	اسلام کیا ہے؟
نجات	اسلام ہی کیوں سچا دین ہے؟
ثواب	دینِ خداوندی کے دشمن
زکوٰۃ	انسان
میثاقِ خداوندی	شرک
مملکت کا قرآنی تصور	ایک نورانی صبح
لاہور کا ایک علمی مذاکرہ	وہ مردِ درویش
انسان اور خارجی کائنات	لارڈ برٹرنڈ رسل سے ایک ملاقات
اُردو میں نماز	پروفیسر ٹوئن بی سے چھ سوالات

قیمت (علاوہ ڈاک، پیکنگ خرچ)

اعلیٰ ایڈیشن - 200
سٹوڈنٹ ایڈیشن - 100

مینیجر طلوع اسلام ٹرسٹ

فہرست موضوعات

ترتیب و تحقیق
احمد حسین قیصرانی

آڈیو کیسٹ درس قرآن

گذشتہ سے پیوستہ

سورہ آل عمران (3)

نمبر شمار	تاریخ	آیات	موضوعات
1	14-9-69	3 1-7	آنے والے کا عقیدہ ـ انتقام کا مفہوم۔ آیات محکمات و متشابہات۔ مغرب کے سائنسدانوں اور قرآن کے سائنسدانوں کے مقصود و منتہی کا فرق۔
2	21-9-69	3 8-14	آیات متشابہات و محکمات ـ متشابہاً مثانی کا مفہوم۔ پروردگار کی رہنمائی کا مقصد نوع انسانی کا ایک مرکز پر جمع رہنا ہے۔ جہنم اور وقود جہنم ـ ذنب کا مفہوم۔ نصرت الٰہی کس کو ملتی ہے (جنگ بدر کی مثال)۔ مال اور اولاد کب فتنہ بنتے ہیں۔
3	28-9-69	3 15-17	رضائے الٰہی سے مراد (اللہ کا تصور)۔
4	5-10-69	3 18-24	اختلاف کیوں اور کیسے؟ گروہ بندی شرک ہے۔ فریضہ رسالت؟ نجات کے مروجہ عقائد (بذریعہ شفاعت اور بذریعہ پیران طریقت)۔
5	12-10-69	3 25-26	عزت و ذلت، حکومت و محکومی سب اللہ کے قانون مشیت کے مطابق ملتی ہے۔ مشیت خداوندی کا مفہوم۔
6	26-10-69	3 27	دو قومی نظریہ ـ کفار کے ساتھ تعلقات۔
7	2-11-69	3 27-31	تقیہ ـ کفار کے ساتھ تعلقات۔ منافق اور کافر میں فرق۔ اللہ سے محبت کا مفہوم۔ اللہ اور رسول کی اطاعت سے مقصود۔
8	9-11-69	3 32-36	حضرت مریم کی داستان۔ حضرت مریم کی خصوصیات اور وجہ فضیلت۔
9	16-11-69	3 37-50	حضرت زکریا کو کبر سنی میں بیٹے کی خوشخبری۔ حضرت مریم کی بصیرت افروز داستان۔ پیدائش مسیح ـ ابن مریم کیوں؟ حضرت عیسیٰ [illegible]

10	23 11 69	3 51-57	حضرت عیسیٰ سے متعلق تاریخی روایات۔ موجودہ انجیل اور حضرت مسیح حضرت عیسیٰ کی ہجرت۔ حیات و وفات مسیح اور قرآن۔
11	30-11-69	3 58-62	پیدائش حضرت عیسیٰ۔ مباہلہ اور ملاعنہ کا مفہوم۔
12	14-12-69	3 63-68	توحید سے مقصد۔ فرقہ بندی کے عواقب و نتائج۔ رسول اللہ کا تعلق کون سے فرقہ سے تھا؟
13	21-12-69	3 70-77	التباس حق و باطل (مقام حدیث)۔ عجمی سازش۔ قرآنی ضابطہ اخلاق۔
14	28-12-69	3 78-84	خارجی کائنات میں اسلام۔ طوعاً" و کرھاً" کا مفہوم۔ دین کا حتمی و مقصود انسانی آزادی ہے۔ تمام نبی صاحب کتاب تھے۔
15	4-1-70	3 85-96	باطل عقائد کی تباہ کاریاں۔ توبہ کا قرآنی مفہوم۔ حلال و حرام۔
16	11-1-70	3 97-103	مذہبی پیشوائیت کی تباہ کاریاں۔ فرقہ بندی شرک ہے۔ فیکم رسولہ کا مفہوم۔ امربالمعروف و نہی عن المنکر پوری امت کا فریضہ ہے۔ منکم کا (غلط اور) قرآنی مفہوم۔
17	18-1-70	3 104-114	اللہ کی رحمت میں کون ہوں گے اور کون سزاوار عذاب۔ تحریک پاکستان اور طلوع اسلام۔ امربالمعروف و نہی عن المنکر اپنی مملکت ہی میں ممکن ہے۔ نیشنلسٹ علماء کا غلط استدلال۔
18	25-1-70	3 115-119	دو قومی نظریہ۔ مومن اور کفار کبھی ایک قوم بن کر نہیں رہ سکتے۔ اسلامی مملکت میں غیر مسلموں کی حیثیت۔ انہیں رازداں نہیں بنایا جا سکتا۔ مخلوط انتخابات۔ یہود و نصاریٰ کے باہمی تعلقات۔
19	1-2-70	3 120-121	جنگ احد کا ضمنی تذکرہ۔ توکل کے قرآنی مفہوم پر تفصیلی بحث۔
20	8-2-70	3 122-128	ملائکہ کا نزول کب اور کیسے؟ (جنگ بدر، جنگ احد، جنگ احزاب)

وابستگان فکر قرآنی کیلئے نوید جاں فزا

اراکین قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی یہ روح افزاء خبر بامسرت اپنے بھائیوں تک پہنچانا چاہتے ہیں کہ اس کے پہلے ہائی سکول کا باقاعدہ نقشہ بفضل تعالیٰ منظور ہو گیا ہے اور اب انشاء اللہ فوری طور پر اسکی تعمیر کا کام شروع کر دیا جائے گا۔ جس کیلئے احباب سے دل کھول کر تعاون کی اپیل کی جاتی ہے۔

چیئرمین قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند گستاخی فرشتہ ہماری جناب میں

مرثیہ کیوں؟

آپ گھر میں ہوں یا دفتر میں' بازار میں ہوں یا دکان پر' ریل میں ہوں یا بس میں' بارات میں ہوں یا جنازے کے ساتھ ------ جہاں کہیں دو مسلمان جمع ہوں گے وہ مسلمانوں کی عام حالت کے مرثیہ خواں نظر آئیں گے۔ پہلے تو صرف اتنا ہی کہا جاتا تھا کہ قوم میں سخت افلاس ہے۔ لوگوں کے پاس کھانے کو روٹی' پہننے کو کپڑا اور رہنے کو مکان نہیں۔ بیمار پڑ جائیں تو دوائی نہیں اور مرجائیں تو کفن دفن تک کے لئے پیسے نہیں۔ اب اس کے ساتھ ساتھ اس کا اضافہ ہوتا ہے کہ لوگ بددیانت ہیں' بے ایمان ہیں' چور ہیں' جھوٹے ہیں' بلیک مارکٹنگ' رشوت خوری' نفع خوری' اعزہ پروری اور اقربا نوازی عام ہے ------ افراد سے آگے قوموں تک جایئے تو مسلمانوں کا ہر ملک تباہ حال ہے۔ عوام میں جہالت اور غربت ہے' خواص خائن اور غدار ہیں۔ یہ مرثیہ تو عام ہے لیکن کوئی یہ نہیں بتاتا کہ

مسلمان کیوں ہر جگہ پستی اور ذلت میں ہیں؟

اگر آپ کو اس سوال کے جواب میں دلچسپی ہے تو فکر انگیز کتاب

اسباب زوال امت

خط لکھ کر **مفت** طلب فرمایئے

ایڈریس :- طلوع اسلام ٹرسٹ 25-بی گلبرگ 2' لاہور 54660

(اس کتاب کی طباعت نو کے لئے ہم محترم ظہیر اختر اور ان کے احباب کے ممنون ہیں)